مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

(جلد نمبر ۶) VOL.No.6 | اپریل ۲۰۱۱ء (April.2011) جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ | Issue.No. 2 (شمارہ نمبر ۲)

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبد القیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی
ولیٔ کامل حضرت مولانا عبد الرحیم متالا

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی | مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی | مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
الحاج موسیٰ بھائی درسوت | مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب | مولانا یحییٰ بام
مولانا محمد اختر قاسمی | مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی
مدیر انتظامی: حافظ عبد الستار عزیزی
مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ”نقوش اسلام“ مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.......................۱۲؍روپے
سالانہ.......................۱۲۰؍روپے
خصوصی ....۳۰۰۰؍روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR. PUBLISHED AT
Vill& P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) EDITOR:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

iles\A017.TI not found. Files\A003.TIF not found. iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مدارس کا نظام دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تجزیہ		۷
مردہ وہیں جو زمانہ کو بدل......	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	
غوروفکر		۱۲
نفسانی خواہشات کی پیروی کے نقصانات	مولانا اسرار الحق قاسمی، دہلی	
انکشافات		۱۴
اردن میں دونئی معلومات	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کراچی	
سفرنامہ		۲۰
دہلی اور میوات کا ایک یادگار سفر	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۲۸
عربی زبان کی شان کبریائی اور......	مولانا محمد زاہد مظاہری، سہارنپور	
فکروعمل		۳۴
مشورہ کی اہمیت	مولانا مفتی محمد عارف باللہ قاسمی	
حقائق		۳۶
بلند ہمتی فلاح وکامرانی کی خشت اول	مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی	
نقطہ نظر		۳۹
آیت ''اولی الامر'' اور ارباب سیاست	مولانا سلمان عبدالصمد لکھنؤ	
نقوش اسلام		۴۲
بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۷
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	ادارہ	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
¼ صفحہ //	....	۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۲۰/ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسیٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مدارس کا نظام دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان

محمد مسعود عزیزی ندوی

صفہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا مدرسہ تھا، جہاں پر بیک وقت تعلیم کتاب، تزکیہ واحسان، دعوت وتبلیغ، وعظ وارشاد، اخلاقیات، عبادات، معاملات، معاشیات، سیاسیات، اقتصادیات بلکہ جملہ علوم وفنون کا درس دیا جاتا تھا، اور چونکہ اس مدرسہ کا تعلق براہ راست خالق کائنات سے تھا، اس لیے تمام تشریعی علوم کا یہ مرکز تھا، اور زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق یہاں اصول وہدایات اور تعلیمات وتوجیہات مرتب ہوتی تھیں، اور صحابہ کرام ان پر عمل پیرا ہوتے اور زندگی میں نافذ کرتے تھے، پھر جیسے جیسے زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا، لوگوں کے افکار ونظریات میں تبدیلی ہونے لگی، اجتہاد کا دروازہ کھل گیا، اور امت کے مختلف طبقات کے لوگوں نے دین کے مختلف شعبوں میں الگ الگ جدوجہد اور محنتیں شروع کردیں، اس طرح جو کام زمانہ نبوت اور خیر القرون میں ایک پلیٹ فارم پر ہوتے تھے، وہ مختلف انداز اور مختلف طرق سے الگ الگ شعبوں میں ہونے لگے، بعثت اور نبوت کے مہتم بالشان مقاصد میں اگرچہ چار بہت اہم ہیں، تلاوت کتاب، تزکیہ، تعلیم کتاب وحکمت، مگر اخلاقیات ان سب کو جامع ہیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے مقصد کو مکارم اخلاق کی تکمیل اور اتمام کے لیے بیان فرمایا ہے۔

خیر القرون کے بعد دین کے مختلف شعبوں کے عمل میں آنے کے باوجود مدرسہ کا عمل تعلیم کے ساتھ تبلیغ اور تزکیہ کا ضرور رہا ہے، اور اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظام برصغیر ہندوپاک کے اکثر مدارس میں رائج تھا، اور ان مدارس سے فارغ ہونے والے ولی ہوتے تھے، ان کا سلوک طے ہو چکا ہوتا تھا، اور ان میں دعوت کی اور تزکیہ کی مکمل صلاحیت ہوتی تھی، بعض مرتبہ تو وہ مکمل عالم دین بھی نہ ہوتے تھے بلکہ صرف میاں جی، یا حافظ صاحب یا قاری صاحب ہوتے تھے، مگر وہ منجھے ہوئے اور کڑھے ہوئے ہوتے تھے، اور جو مکمل عالم دین ہوتا تھا، وہ تو ماشاء اللہ ولی کامل، مربی وقت، داعی زماں اور مصلح قوم ہوتا تھا؛ کیونکہ اساتذہ بھی کامل ومکمل اور عالم باعمل ہوتے تھے اور اپنے شاگردوں کی تعلیم کے ساتھ اخلاق کی تربیت بھی کرتے تھے، سلوک بھی طے کراتے تھے، تزکیہ نفس بھی کرتے تھے اور گویا کہ گھول کر پلانے کا ان کو ہنر آتا تھا۔

اب کچھ زمانے سے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ علم میں بس نام کے ہوتے ہیں، کام کے نہیں، تزکیہ نفس کے اعتبار سے تو بالکل ہی کورے ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ، چونکہ آج کل اکثر اساتذہ اور ذمہ داران مدارس بھی غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں،

گوکہ بعض مرتبہ وہ اچھی علمی لیاقت رکھتے ہیں، مگر مزکیٰ نہیں ہوتے، اس لیے مدارس میں پڑھنے والے اور فارغ ہونے والے بھی اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں، اخلاق کی طرف بہت کم مدارس میں توجہ دی جاتی ہے، بلکہ بعض مرتبہ اساتذہ آپس میں معمولی معمولی باتوں پر کبھی طلبہ کے سامنے اور کبھی خود ذمہ دار کے سامنے اس طرح دست و گریباں ہوجاتے ہیں کہ ان کو سنبھالنا اور روکنا مشکل ہوجاتا ہے، حالانکہ وہی طلبہ کے مربی، معلم اور مصلح ہوتے ہیں، اسی طرح تربیت کی طرف بھی خیال نہیں کیا جاتا، مسائل بھی عام طلبہ کو نہیں سکھلائے جاتے، جو عالم بنتے ہیں، وہ کتابوں میں پڑھ لیتے ہیں اور بس، شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں طلبہ کو کوئی استاذ وضو کا طریقہ سکھاتا ہو، طہارت کا سلیقہ بتاتا ہو، نماز پڑھ کر عملاً دکھلاتا ہو، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر دکھلائی اور پھر فرمایا کہ ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو، غرضیکہ آج کل مدارس میں تربیت کی، تزکیہ نفس کی اور دعوت و تبلیغ کے کام کی طرف دھیان کم دیا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁———❁❁❁❁❁❁

اس لیے اس وقت اہل مدارس کو تبلیغ اور تزکیہ و احسان کے کام سے جڑنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس وقت اہل مدارس نے تبلیغ کے کام کو چھوڑ رکھا ہے، اگرچہ کچھ علماء مدارس و طلبہ ضرور لگے ہوئے ہیں، مگر ان کی حیثیت ایسی بھی نہیں جیسے کھانے میں نمک کی، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مروجہ تبلیغ سے جڑے ہوئے ہیں، وہ ڈنکے کی چوٹ پر ببانگ دہل مساجد میں عوام سے کہتے ہیں کہ بھائی مدرسے والوں نے، علماء نے یہ دین کا کام چھوڑ دیا ہے، لہٰذا اب آپ ہی لوگوں کو یہ کام کرنا ہے، اور اگر کہیں تبلیغی لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں کوئی عالم بھی ہو، تو یا تو اس عالم کو زبردستی اپنے پروگرام میں شامل کرنا چاہتے ہیں، یا پھر اس کو اس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی عام تبلیغی تقریر شروع کر دیتا ہے اور وہ پھر اپنی ہفوات بیان کرتا ہے، انہوں نے معیار بنالیا ہے کہ چلہ لگا ہوا ہونا چاہئے، یا وقت لگا ہوا ہونا چاہئے، چلہ اور وقت لگنے کے بعد تو اصلاح ہونی چاہئے تھی، کیونکہ چلہ کا مقصد اصلاح نفس ہے اور یہاں اصلاح مفقود ہے بلکہ اس کے برعکس گھمنڈ، تکبر اور اپنے اعمال اور تبلیغ پر فخر کا اظہار اور دوسروں کی تحقیر کا معاملہ ہوتا ہے، مدارس کی آٹھ دس سالہ زندگی ان کے یہاں کوئی معنی نہیں رکھتی، ایک بڑے مشہور مدرسے کے ذمہ دار کا واقعہ ہے جن کے یہاں ہندوستان کے تمام بڑے مدارس سے بھی زیادہ طلبہ پڑھتے ہیں، حفظ قرآن مجید کرتے ہیں، عالم دین بنتے ہیں، مفتی بنتے ہیں، ڈاکٹر اور انجینئر بنتے ہیں، ان کے یہاں باہر کے ایک مہمان تشریف لائے، مولانا نے پورے جامعہ کا معائنہ کرایا، تمام شعبہ جات دکھلائے، اخیر میں وہ مہمان کہتے ہیں کہ حضرت یہاں دین کا کام بھی ہوتا ہے؟؟ مولانا سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور اس مہمان کو پھٹکار لگائی، اسی طرح اکثر شہروں اور قصبوں کی مسجدوں میں جماعتی یا تبلیغی لوگ تو ٹھہر سکتے ہیں، لیکن کوئی عالم یا مدرسہ کا سفیر جو مدرسہ کا استاذ یا عالم ہوتا ہے وہ نہیں ٹھہر سکتا، اس لیے کہ مسجد کے ٹرسیٹوں، کمیٹی والوں نے اصول بنا رکھے ہیں کہ صرف دین کا کام کرنے والے یعنی تبلیغی کام کرنے والے ہی ٹھہر سکتے ہیں، مدارس کے اساتذہ، علماء اور سفراء نہیں ٹھہر سکتے، اور یہ بیماری بعض دوسری بیماریوں کی طرح انٹرنیشنل پیمانے پر پھیل رہی ہے، بہت سے علماء و سفراء کو اس کا تجربہ سنگاپور میں ہوا، ملیشیا میں ہوا، زامبیا میں ہوا، ملاوی میں ہوا، زمباوے میں ہوا، بوٹسوانہ میں ہوا، موزمبیق میں ہوا، جنوبی افریقہ میں ہوا، اور بہت سی جگہوں پر اپنے ملک میں بھی ہوا، ایک ایسی فضا بنی ہوئی ہے،

کہ اگر تبلیغ میں آدمی لگا ہو ہے، یا بلکہ آج ہی لگا ہے، تو چاہے وہ کتنا ہی بڑا کرمنل، جرائم پیشہ ہو، زانی ہو، فاسق ہو، فاجر ہو، چور ہو، ڈاکو ہو، کتنا ہی بڑا شرابی کبابی، جواری اور کتنا ہی بڑا فراڈی ہو، آج ہی تبلیغ میں گیا ہو، تو اس کا استقبال کیا جائے گا، اور اگر کوئی سفیر یا عالم مدرسہ میں پڑھتا پڑھاتا بوڑھا ہو گیا ہو، ستر اسی سال اس کی عمر ہو گئی ہو، اور مدرسے کے لیے سفر میں نکلا ہو، تو اس کو مسجد والے ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیں گے، بہت کم جگہیں ایسی ہیں، جہاں پر ان بیچاروں کو ٹھہرنے کی اجازت مل جاتی ہے۔

ایک عام جائزہ یہ ہے کہ اکثر جگہوں پر، بلاکوں میں، ضلعوں میں اور صوبائی پیمانے پر ہندوستان میں بھی اور بیرون ہند بھی اکثر امیر جماعت حاجی صاحب یا میاں صاحب ہوتے ہیں، کیا کوئی عالم اس قابل نہیں کہ وہ امارت کے فرائض انجام دے سکے، یہ کیا بات ہے؟؟ یہ بھی اہل مدارس کی غلطی ہے کہ انہوں نے تبلیغ والے کام کو چھوڑا، اور جہلا نے اپنی دھاگ بٹھالی اور ان کے خلاف اصول بنوادئے، اور اہل مدارس کی یہ غلطی اس اعتبار سے ہے کہ تبلیغی جماعت اس وقت بقول شخصے کشتی نوح ہے، جو اس پر سوار ہو جائے گا بچ جائے گا، ورنہ تو خطرہ ہے، ویسے تو آج کل کسی بھی شعبے کے سلسلہ میں کوئی اصلاحی بات کہے تو اس کو مخالف سمجھا جاتا ہے، خاص طور سے تبلیغی جماعت والوں کی منکرات پر جو عالم بھی نکیر کرتا ہے اس کو تبلیغ کا مخالف سمجھا جاتا ہے، اس لیے اب ضرورت ہے کہ ہر مدرسے میں تبلیغ کا کام ہو، طلبہ کو اور علماء کو جوڑا جائے اور تبلیغی جماعت میں اس وقت جو گند پیدا ہو گیا ہے، اس کی حیثیت ناسور کی ہے، اس لئے آپریشن ناگزیر ہے، اگر آپریشن نہ کیا گیا تو اس کے بھیانک نتائج نکل سکتے ہیں، اسی طرح عوام کے ذہن کو صحیح کیا جائے، اور علماء کا احترام اور ان کا مقام و منصب عام لوگوں کو، شہروں اور قصبوں کے ذمہ داروں کو اور مسجدوں کے متولیوں اور ٹرسٹیوں کو بتلایا جائے، اور ان کو باور کرایا جائے کہ تمہاری نیا کو پار لگانے والے یہ علماء کرام اور مدرسے والے ہی ہیں، ورنہ ان سے الگ ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ کر ایسے ختم ہو جاؤ گے اور ایسے گمراہ ہو جاؤ گے کہ پھر راہ راست پر آنا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ انبیاء کے وارث یہ علماء اور اہل مدارس ہی ہیں، اور تبلیغ مدارس کا جز ہے، یہ تفریق کرنا کہ پہلے دعوت آئی، پھر ایمان آیا پھر قرآن آیا، یہ صحیح نہیں، ایمان و قرآن اور دعوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، سب کو ماننا اور اختیار کرنا ہے، اور سب کو ماننے کے لیے قرآن و حدیث کا جاننا ضروری ہے، اور مدارس قرآن و حدیث کو جاننے کے اڈے ہیں، اور تبلیغ زندگی میں قرآن و حدیث کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہے، اور ایمان کے ستر سے بھی زائد شعبے ہیں، اس لیے دین کے کسی ایک شعبہ کو اختیار کر کے دوسرے دینی شعبوں کی نفی کرنا اور ان کی اہمیت کو کم کرنا ناانصافی، جہالت، نادانی اور حماقت کی بات ہے۔

دوسرے اہل مدارس نے تزکیہ کے عمل کو چھوڑ رکھا ہے کہ نہ ذکر ہے، نہ فکر ہے، نہ قلب کی صفائی ہے، جس کی وجہ سے خود علماء کی باتوں میں تاثیر نہیں، پہلے زمانہ میں لوگ ان کی باتیں سن کر اور ان کے عمل کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے، اور اب کتنی بھی اچھی تقریر کرے مگر کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لیے کہ نفس کا تزکیہ نہیں ہوتا، حب جاہ، حب مال، حب دنیا جیسی صفات رذیلہ نہیں نکلتیں، اور نفس کی تربیت نہیں ہو پاتی جس کی بنا پر ایک تو علماء کا وقار نہیں، علماء کی باتوں میں وزن نہیں، صحبت میں وہ تاثیر نہیں، اپنے آپ کو

مٹانے کا جذبہ نہیں، نتیجتاً عوام میں ناقدرے ہوگئے، کیونکہ علم اور عمل کے درمیان تطبیق نہیں، جو بغیر صحبت، بغیر تزکیہ نفس کے ممکن نہیں، پھر تزکیہ کے شعبے میں بھی گھس پیٹ شروع ہوگئی، جاہل صوفیا، نام نہاد علماء سوء اور علماء پیٹو اور بعض روشن خیال جدید تعلیم یافتہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا بلکہ آج کل تو ڈاکٹر، ماسٹر، پروفیسر اور انجینئر لوگ اور جہلا نے تصوف اور تزکیہ کا شعبہ سنبھال لیا، اور عوام کو گمراہ کر کے اپنا الوسیدھا کرنے لگے اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ علماء سے عوام کو بدظن کرنے لگے، علماء کی توہین وتذلیل کرنے لگے بلکہ بعض روشن خیال اور جدید تعلیم یافتہ صوفی صاحب تو اپنی اعلی دنیوی تعلیم اور یونیورسٹی سے فراغت کی وجہ سے علماء کو حمقاء، غیر دانش مند، دقیانوس، قدامت پسند، پرانی سوچ کے حامل، زمانہ اور حالات حاضرہ سے بے خبر اور ناکارہ گردا ننے لگے، اور بے چاری عوام تو کالانعام ہے، جیسی کوئی پٹی پڑھا دے، اور خاص طور سے الٹی تو جلدی ہی سمجھ میں آتی ہے، ان تمام باتوں کے ذمہ دار اہل مدارس ہیں کہ انہوں نے توجہ نہیں دی۔

اس لیے اس وقت ضرورت ہے مدارس میں تعلیم کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے شعبہ کو زندہ کرنے کی اور زیادہ سے زیادہ طلبہ اور علماء کو تبلیغ میں بھیجنے کی، چھٹیوں کے اوقات میں خاص طور سے اور عام تعلیمی اوقات کے درمیان مثلاً جمعرات جمعہ کو عام طور پر دلچسپی سے حصہ لینا چاہئے، تا کہ اہل مدارس اور اہل تبلیغ کے درمیان میں جو مغایرت اور اجنبیت محسوس کی جارہی ہے، اور جو گہری خلیج واقع ہورہی ہے وہ دور ہو، ورنہ اہل مدارس اور علماء حضرات کو نوٹ کر لینا چاہئے کہ اگر تبلیغی جماعت کی باگ ڈور آپ نے نہ سنبھالی اور جماعت میں پیدا شدہ گندگی کو دور نہ کیا تو خطرہ ہے کہ کہیں آپ کے لیے زمین تنگ نہ کر دی جائے اور یہ جماعت خود کھڈے میں گر جائے، اور خانقاہی نظام کو بھی زندہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ تزکیہ واحسان کا شعبہ زندہ ہو، طلبہ ذکر کریں، قلب کی صفائی کریں، روحانیت کا ماحول پیدا کریں، اگر یہ شعبہ مدارس میں زندہ ہوگیا تو علماء تو اچھے تیار ہوں گے ہی، خود اہل مدارس کو مادی طور پر بھی بہت فائدہ ہوگا، کیونکہ جب کلام الٰہی کی تعلیم کے ساتھ دعوت بھی دی جائے گی اور عملاً زندگی میں اس کا نفاذ ہوگا، ذکر کی کثرت ہوگی، تو خود خالق کائنات، مدارس میں اتنا مادی انتظام فرمادے گا کہ اب جتنی چندے کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ کی ضرورت پڑتی ہے پھر اتنی نہ پڑے گی، بلکہ تھوڑی سی حرکت میں برکت ہوجائے گی انشاء اللہ، اس لیے راقم امید کرتا ہے کہ اہل مدارس تعلیم کے ساتھ، دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان کی طرف دلچسپی سے توجہ دیں گے اور حالات کو سمجھ کر اپنی بیدار مغزی ودانشمندی اور فکری تیقظ کا ثبوت دیں گے، اور پھر اس کے نقد ثمرات اور فوائد سے محظوظ ہوں گے، اور مدارس کی اہمیت وافادیت اور مدارس کی آفاقیت ووسعت اور ان کی ہمہ گیریت اور عالمگیریت ثابت ہوگی، اور اپنا رنگ دکھائیگی جیسا کہ ماضی میں دکھایا ہے اور یہ سب علماء اور اہل مدارس کے سوچنے اور فکر کرنے کا کام ہے، ورنہ تو......

یہ جو میکدہ کا نظام ہے اسے میں بدل کے بھی کیا کروں
یہ جو مست ہیں اسی حال میں انہیں ہوش آئے تو بات ہو

تجزیہ

مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ آمَنُوْا بِرَبِّھِمْ وَزِدْنٰھُمْ ھُدًی وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلٰھاً لَقَدْ قُلْنَآ اِذاً شَطَطاً"۔(سورۂ کہف آیت ۱۴/۱۳)

یہ سورۂ کہف کی ایک آیت ہے، اس کا عنوان اگر اس زمانہ کے اسلوب اور اسٹائل میں مقرر کروں تو کہوں گا "قصہ سات جواں مردوں کا" اس قصہ میں نسل انسانی کے نوجوان عنصر کے لیے خصوصی پیغام اور ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکتا ہے اور جو صرف دل و دماغ پر نہیں بلکہ صلاحیتوں، حوصلوں اور عزائم پر بھی ایک تازیانے کا کام دے سکتا ہے، وہ کبھی شبنم ٹپکا تا ہے، کبھی پھول کی جھڑیاں لگاتا ہے، مجھے بھی آج نوجوانوں کے سامنے نوجوانوں کا قصہ سنانا ہے اور میں کیا سناؤں گا، بلکہ قرآن مجید سناتا ہے یہ وہ نوجوان ہیں جن کو قرآن نے ان کا تذکرہ کرکے لافانی بنادیا ہے اور ہر دور کے نوجوانوں کے لیے قابل تقلید نمونہ اور آئیڈیل، بات بڑی مختصر، بڑی سادہ؛ لیکن بڑی عمیق اور سبق آموز ہے۔

قصہ یہ ہے کہ رومن امپائر کے ایک حصہ میں جو شام و فلسطین کہلاتا ہے، ایک دعوت پیدا ہوئی، جس کے لانے والے سیدنا مسیح علیہ السلام تھے، جو ہم مسلمانوں کے نزدیک بھی خدا کے پیغمبر برحق ہیں، انہوں نے توحید کی دعوت دی، اس وقت ساری دنیا میں شرک پھیلا ہوا اور ہر طرف گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی، اس اندھیرے میں ایک روشنی چمکی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شرک، نسل پرستی، رسم پرستی، توہم پرستی، ظاہر پرستی اور انسانیت کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی، جس کی اصل اساس توحید اور سچی خدا پرستی تھی، اس دعوت کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا، اور وہ اس کے حامل و داعی بن گئے، انہوں نے اپنے اس قلمرو سے باہر قدم نکالا اور رومی شہنشاہیت کے مرکز کے قریب جا کر دعوت پیش کی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سن رسیدہ اور پختہ کار لوگوں کے مقابلہ میں (جن کے پاؤں میں تجربات، مفادات، رسم ورواج اور خوف وامید کی بھاری بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں اوران کو کسی نئے تجربے اور انقلابی اقدام سے باز رکھتی ہیں، نوخیز اور جواں سال (جن کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ہوتیں) اور ان کی وابستگیاں اوران کا Attachment ان چیزوں کے ساتھ نہیں ہوتا جن کے ساتھ عموماً بڑی عمر والوں کا ہوا کرتا ہے، نئی اور صالح دعوت کو جلد قبول کر لیتے ہیں، قرآن مجید ان نوجوانوں کی عمر کا تعین نہیں کرتا اور یہی قرآن مجید کا طریقہ ہے، اگر وہ کہتا کہ ۲۰/۱۸ سال کے نوجوان تھے تو اس سے اوپر اور اس سے نیچے کی عمر والوں کو بہانا مل جاتا کہ ہمارا قصہ نہیں ہے، قرآن کہتا ہے "اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ" وہ چند نوجوان تھے، جو حضرات عربی کا ذوق رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ "فتیۃ" کے لفظ میں عمر کی جوانی کے ساتھ دل ودماغ اور حوصلوں اور عزم وارادہ کی جوانی کی طرف بھی اشارہ آ گیا ہے، اس لیے اس کے ترجمہ میں میں نے "جواں مرد" کا لفظ اختیار کیا "فتیۃ" فتی کی جمع ہے، فتی کی جمع "فتیان" بھی آتی ہے، لیکن فتیۃ جمع قلت کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس طرح قرآن اشارہ دیتا ہے کہ وہ گنتی میں چند نوجوان تھے اور یہی ہمیشہ ہوا ہے کہ جب خدا پرستی اور اصلاح حال کی صحیح دعوت آئی ہے تو اس کے ماننے والے

ابتداء میں تھوڑے ہوئے ہیں، جن کو خدا نے اس کی توفیق دی اور ان کو یہ ہمت ہوئی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ اور صفات میں سے ''رب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے" اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ" یہ بات بہت معنی خیز ہے، اس لیے کہ حکومتوں کو اپنے یہاں کے باشندوں کا رازق ہونے کا بھی (کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے) دعوی ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اس طرح کے خیالات اور عقیدے وابستہ ہوجاتے ہیں کہ اگر اپنی پرورش کا سامان کرنا ہے اور عزت وراحت کی زندگی گزارنی ہے تو ان حکومتوں سے اپنے کو متعلق کرنا پڑے گا، ان کا غاشیہ بردار ہوکر رہنا اور ان کی رکاب میں چلنا پڑے گا، ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہوگا، اس کے بغیر رزق اور خوشحال وفارغ البال زندگی کے دروازے یکسر بند ہیں، قرآن جو لفظ کہتا ہے وہ اپنی جگہ پر انگوٹھی میں نگینہ کا کام دیتا ہے، پوری پوری کتابوں کا مضمون ایک لفظ میں آجاتا ہے، یہ جواں مرد انسانوں کے اس جنگل میں کھڑے ہوگئے، جہاں اس رومن امپائر کا جھنڈا لہرا رہا تھا، جو اس وقت دنیا کی سب سے منظم، سب سے متمدن، دنیا کو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ قانون دینے والی، دنیا کے سب سے وسیع خطہ پر حکومت کرنے والی شہنشاہی تھے، انگریزی محاورہ کے مطابق اس حکومت کی ناک کے نیچے اور بالکل آنکھوں کے سامنے چند نوجوان کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرکے اس کا اعلان کرتے ہیں جو اس وقت کا صحیح مذہب اور اس عہد کا اسلام تھا، اس وقت تک مسیحیت میں تحریف نہیں ہوئی تھی، اس کے وہ داعی وہاں پہنچے تھے، جو حضرت عیسی علیہ السلام کے پیغام کے صحیح علمبردار تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارا رازق اور ہماری پرورش کا ذمہ دار حکومت نہیں ہے، ہمارا رازق اور پروردگار خدا ہے اور وہی ہماری پرورش کا ذمہ دار ہے "رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ہماری پرورش کرنے والا وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، یہ بات اس منظم سلطنت میں کہی گئی تھی، جس نے وسائل معیشت پر قبضہ کر رکھا تھا، گویا وہاں کے باشندوں کی قسمت وروزی کی مالک بن گئی تھی اور بظاہر نفع وضرر کی ساری طاقتیں اس کے ہاتھ میں آ گئی تھیں، اس وقت دانشمندی اور حقیقت پسندی کا ایک ہی ثبوت تھا کہ حکومت کے دامن سے وابستہ ہوکر حکومت کے عقیدہ کو اختیار کرتے کم سے کم اس عقیدہ پر سکوت اختیار کر کے اس قلمرو میں اچھی زندگی گزاری جائے، انہوں نے پوری یونانی دیومالا اور رومی دیومالا کا انکار کیا جو اس وقت کی رومی تہذیب وتمدن ومعاشرت اور عقائد واعمال میں سرایت کر چکی تھی اور پورا معاشرہ مشرک اور توہم پرست بن گیا تھا، یونان اور رومہ (اور قدیم ہندوستان میں بھی) صفات الٰہی کا تصور دیوتاؤں کی شکل میں کیا جاتا تھا اور ان کے نام پر بڑے بڑے معبد اور ہیکل بنے ہوئے تھے یہ محبت کا دیوتا ہے، یہ شفقت کا، یہ روزی دینے کا، یہ جنگ کا، یہ ہیبت وجلال کا، یہ بارش کا، ان نوجوانوں نے بیک زباں ان سب کا انکار کیا اور کہا: "رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا، هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً، لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا"۔ (سورہ کہف ۱۴/۱۵)

ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ہم اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر نہیں پکاریں گے، اگر ایسا کیا، تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی، ہماری قوم کے ان لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، یہ (ان کے خدا ہونے پر) کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ افتراء کرے۔

یہاں قرآن مجید نے ایک اور حقیقت بیان کر دی وہ یہ کہ پہلا قدم آدمی کی طرف سے اٹھتا ہے، پہلے ہمت اس کی طرف سے ہونی چاہئے، اس کے بعد اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے "آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى" اگر آدمی اس کا منتظر رہے کہ کوئی چیز خود بخود دل میں نفوذ کر جائے، اس کے گلے منڈھ دی جائے تو یہ صحیح نہیں، پہلے خود فیصلہ اور ہمت کرنی ہوگی، اس کے بعد خدا کی مدد آتی ہے، فرماتا ہے "وَرَبَطْنَا

عَلٰی قُلُوُبِهِمُ" اس لیےان کا واسطہ اس زمانہ کی سب سے عظیم اور قہرمان سلطنت سے تھا، وہ سرکاری مذہب کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کر رہے تھے۔

یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے، مجھے شرق اردن کے سفر ۱۹۷۳ء میں اس غار کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں وہ محوخواب ہیں، اردن کے آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر محقق فاضل رفیق وفا الدجانی صاحب نے اس کی زیارت کرائی، اور علمی وفنی دلائل سے ثابت کیا کہ یہی اصحاب کہف کی جگہ ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ اس واقعہ کو صدیوں تک نظم کیا جاتا رہا ہے اور وہ وہاں کی ادبیات کا ایک جزء بنا رہا ہے، میں نے بہت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''معرکہ ایمان و مادیت'' میں تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس پر نظر ڈالی ہے، تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے اکثر اہل دربار کی اولاد تھے، یعنی یہ سلطنت کے خاندانی نمک خوار تھے، کسی کے باپ، کسی کے چچا، کسی کے بڑے بھائی، اس وقت رومن امپائر کے کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، اس لیے یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ اور نازک بن گیا کہ یہ بات صرف اتنی نہ تھی کہ چند بے تعلق اور سرپھرے نوجوان کھڑے ہوگئے، انہوں نے بغاوت کا نعرہ لگایا اور کہہ دیا کہ ہم سرکاری مذہب کو نہیں مانتے، ہم نے ایک نیا دین قبول کیا ہے، یہ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ پورے پورے خاندان اور خاندانوں کی قسمت اور عزت وابستہ تھی، ان کے اس اقدام سے ان کے والدین، ان کے خاندان کے بزرگ اور ذمہ دار نازک پوزیشن میں مبتلا ہوگئے، ان سے براہ راست سوال کیا جاسکتا تھا کہ تم نے اپنے فرزندوں اور خوردوں کو اس باغیانہ اقدام سے کیوں نہیں روکا؟ دوسری طرف خود ان بزرگان خاندان کے لیے ایک بڑی آزمائش تھی کہ وہ ان نوجوانوں کے متکفل تھے، وہ ان سے بڑی امیدیں رکھتے تھے، اور ان کو ان کا مستقبل شاندار نظر آتا تھا، ایک جگہ قرآن مجید نے اس نفسیاتی کیفیت کو جو خاندان کے بزرگوں اور ذمہ داروں کو نوجوانوں کے اس طرح کے اقدام سے پیش آتی ہے، بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود میں توحید اور دین حق کی دعوت پیش کی تو قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے بڑے درد اور دل کی چوٹ کے ساتھ کہا کہ صالح! تم سے تو آئندہ کے لیے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں، خیال تھا کہ تم سیدھے سیدھے اس لائن پر چل کر (جس پر قوم چل رہی ہے) اور اس میں کچھ امتیاز پیدا کر کے اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے، اور اپنی قوم کے لیے عزت وافتخار کا باعث بنو گے "قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ" صالح تم ہماری امیدوں کا مرکز تھے، تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا، تم یہ نئی دعوت لے کر کھڑے ہوگئے، اور پوری قوم کو مخالف بنایا "مَرْجُوًّا" کا تقریباً وہی مفہوم ہے، جو انگریزی میں لفظ Promising کا ہے، جو کسی ایسے ہونہار طالب علم، یا نوجوان کے لیے بولا جاتا ہے، جس کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔

یہ نوجوان گنتی میں بہت تھوڑے تھے، اور بعض قرائن وقیاسات کی بنا پر سات سے زیادہ ان کی تعداد نہیں تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ کئی سو آدمیوں کی قسمت وابستہ تھی، ہر ایک کے ساتھ پورا پورا خاندان اور برادری کا سلسلہ تھا، اور وہ سب ان کے اس اقدام کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے، اور شک کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے تھے، وہ کتنے خاندانوں کی امیدوں کا مرکز تھے اور کتنے گھروں کی ترقیاں وخوشحالیاں ان سے وابستہ تھیں؟ اس کی طرف لوگوں کی نظر کم جاتی ہے، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ سات، آٹھ کا معاملہ کیا؟ پکڑے گئے تو پکڑے گئے اور مارے گئے تو مارے گئے، اگر زندگی کی آسائشوں سے محروم ہوئے تو سات ہی آدمی تو محروم ہوئے، یہ نہیں سوچتے کہ معاملہ کبھی ایک اکیلے آدمی کا نہیں ہوتا، متمدن زندگی میں فرد واحد (اکائی) کا تصور مشکل ہے، شعراء تو اس کا تصور کر سکتے ہیں؛ لیکن واقعات کی دنیا میں اکثر فرد واحد کا وجود نہیں ہوتا، اس کے تعلقات اور روابط کتنے لوگوں سے ہوتے ہیں اس لیے فرد واحد فرد واحد نہیں ہوتا، اگر یہ سات بغاوت کرتے ہیں تو سمجھئے کہ ستر خاندان زد میں آجاتے

ہیں، اس لیے مسئلہ بہت اہم تھا اور اسی لیے قرآن مجید نے اس کو بطور مثال پیش کیا ہے، اس وقت تاریخ کی کتابوں میں یہ تفصیل نہیں مل سکتی کہ کسطرح سے ان کو ڈرایا دھمکایا گیا اور کس کس طرح کی ان کو لالچیں دی گئیں اور سبز باغ دکھائے گئے، ایسے اقدامات سے روکنے کے لیے خاص طور پر جب کہ مقابلہ میں نوخیز اور نوجوان ہوں، ڈرانے والی چیزوں کے ساتھ راغب کرنے والی چیزیں بھی ہوتی ہیں اور اکثر ترہیبات کے مقابلہ میں ترغیبات زیادہ مؤثر اور کامیاب ثابت ہوتی ہیں، ایک بزرگ نے جن کا دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا، فرمایا کہ توڑے کوڑوں سے زیادہ نازک ہوتے ہیں، طاقتیں اور حکومتیں کبھی کوڑے سامنے لاتی ہیں اور کبھی توڑے (اشرفیوں کی تھیلیاں) ان نوجوانوں کے سامنے کوڑے بھی آئے ہوں گے، اور توڑے بھی، انہوں نے کوڑوں کو بھی سہہ لیا اور توڑوں کا بھی توڑ کر لیا، اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالی نے ان کے دلوں کو قوت وسکون اور صبر وتحمل اور قربانی وایثار کی دولت عطا فرمائی۔

ہمیشہ ملک ومعاشرہ اس وقت بچا ہے جب کچھ لوگوں نے اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں وہ ناسمجھ اور غیر متوازن بھی نہیں تھے، ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ وہ صحیح الحواس، صحیح الدماغ، دانہ اور فرزانہ نوجوان تھے، لیکن بات یہ تھی کہ ان کی روح صرف اس بات سے تسکین نہیں پاسکتی تھی کہ ان کو روٹی کپڑا ملتا رہے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ تو کسی امیر گھر کے کتے کا راتب ہے، اس کو بعض اوقات ایسا اچھا دودھ ملتا ہے جو بہت سے غریب گھرانوں کے بچوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا، اور وہ ایسے ناز ونعم سے رکھے جاتے ہیں جس کا بہت سے انسان (جو اشرف المخلوقات ہیں) خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہزار ناز پرورده کتے ایک ایسے فاقہ کش انسان پر قربان جس کو معرفت الٰہی اور ایمان کی دولت حاصل ہے، اور اللہ نے اس کو اپنے ہم جنس انسانوں کی فکر اور درد نصیب کیا ہے، وہ طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی جگہ بنانی نہیں ہے، اور جانوروں کی طرح کھاپی کر دنیا سے رخصت نہیں ہو جانا ہے، ہمیں اپنے کو بھی اس خطرے اور ہلاکت سے بچانا ہے جو غلط عقائد، غلط مقاصد، غلط اعمال اور خراب اخلاق کی صورت میں ہمیں پیش آنے والا ہے اور اپنی قوم، ملک اور معاشرہ کو بھی ان مصیبتوں اور خطروں سے بچانا ہے جو ان کے سر منڈلا رہے ہیں، انسانی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہے کہ ایسے باہمت افراد کامیاب ہوجاتے ہیں اور پوری پوری قوم اور ملک کو اپنی آسائش اور ملک کی قربانی دے کر بچالے جاتے ہیں، انسانیت کی آبرو انہیں کے دم سے ہے اور امن وامان، صلاح وفلاح، حق وصداقت اور دعوت حق کا تسلسل انہیں سے قائم ہے۔

ہمارا ملک اخلاقی طور پر اس وقت احتضار کی کیفیت ''سکرات'' سے دوچار ہے، وہ کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے، پورے ملک میں کرپشن وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے، کارکردگی، فرض شناسی، محنت کوشی، جفاکشی اپنے ملک سے سچی محبت اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہمدردی عنقاء ہے، انتظامیہ میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس لیے بیٹھا ہوا ہے کہ اپنی جیب بھرے وہ قابل رشک انسان ہے جو جیب کے بجائے کاغذ کا پیٹ بھرنے کی فکر میں ہے، اگر کوئی سامنے آتا ہے تو غور سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے کتنی بڑی رشوت لی جاسکتی ہے، غور سے اس لیے نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے چہرے پر کیا اتار چڑھاؤ ہے، وہ کس مصیبت میں مبتلا ہے؟ بلکہ اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کیا بتاتا ہے کہ وہ کس سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مدت کے بعد اپنے وطن آنے والے مسافر کو بجائے وطن پہنچنے کی خوشی کے سہم چڑھ جاتا ہے کہ معلوم نہیں اس کو کس ذلت اور کس مصیبت سے واسطہ پڑے اور کس کو کیا رشوت دینی پڑے، یہ کیوں نہیں ہوتا کہ ہندوستانی اپنے ملک کی سرحد پر (خواہ وہ ہوائی یا زمینی) آکر عزت وسکون محسوس کرے اور خوش ہو کہ ہم اپنے گھر آئے، میں آپ کو یہ دعوت نہیں دیتا کہ آپ کالج چھوڑ کر قوم وملک کی خدمت میں لگ جائیں، آپ ٹھوس خدمت جبھی کرسکیں گے جب آپ اچھی طرح پڑھیں گے، تعلیم میں امتیاز

حاصل کریں گے اور یہاں سے نیک نام ہوکرنکلیں گے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اچھے کارگزار، فرض شناس، محبّ وطن اور اگر مسلمان ہیں تو اچھے مسلمان بنیں، آپ کے اندر مدد کا جذبہ ہونا چاہئے، آپ کے اندر کام کرنے سے وہ خوشی ہونی چاہئے جو آرام کرنے سے نہیں ہوتی، اس وقت پورے ملک کا نظام ڈھیلا ہوگیا ہے اور عام زندگی مشکل ہوگئی ہے، کس کس محکمہ، کس کس شعبہ زندگی کا رونا رویا جائے۔

میں اپنے مسلمان بچوں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ کسی کا یہ اخلاقی یا شہری فرض ہو، تمہارا تو یہ مذہبی فرض ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے "وَيـــلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا كْتَا لُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ، وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ" اس آیت میں کتنی بڑی حقیقت خدا نے بیان کی ہے، یہ صرف دودھ کی دکان یا پرچون کی دکان کا معاملہ نہیں "تطفیف" کم تولنا اور ڈنڈی مارنے کا عمل پوری زندگی میں ہوسکتا ہے، آج ہمارا پورا انتظامی ڈھانچہ اور معاشرہ "مطفف" بن گیا ہے، سب کا مرض "تطفیف" ہے، اپنا حق پورا وصول کرنا، یا وصول کرنے کے لیے لڑنا اور دوسروں کا فرض ادا نہ کرنا یا ادھورہ ادا کرنا، اگر آپ کو ہندوستان میں باعزت زندگی گزارنی اور اپنا مقام پیدا کرنا، یا اپنا مقام محفوظ رکھنا ہے تو اس کا ذریعہ صحیح دینداری بلند و بے داغ کردار اور عملی نمونہ پیش کرنا ہے، اگر آپ اس ملک کی قیادت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنے دین کی تعلیمات، قرآن کی ہدایت، اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اسوہ وسیرت پر چلیں اور ان جواں مردوں کی تقلید کرکے (جن کا قصہ قرآن کی سورۂ کہف میں بیان کیا گیا ہے) اپنے مستقبل اور ترقی کے امکانات کو خطرہ میں ڈال کر ملک کو اور انسانیت کو خطرہ سے بچانے کی کوشش کریں، اکبر الہ آبادی نے سچ کہا ہے:

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

❁ ❁ ❁ ❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰/روپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳/روپئے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰/روپئے

٦- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵/روپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰/روپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰/روپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸/روپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰/روپئے

۱٦- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپئے

۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰/روپئے

۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰/روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

غور وفکر

نفسانی خواہشات کی پیروی کے نقصانات

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

خواہشات پر قابو پانا ہر شخص کے لیے بہت ضروری ہے، یہ دنیوی زندگی کے لیے بھی مفید ہے اور اخروی زندگی کے لیے بھی، خواہشات کو آزاد چھوڑ دینا بہت زیادہ نقصان دہ ہے، اس کے اثرات کبھی انفرادی زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں، تو کبھی اجتماعی زندگی میں، آج ہر سطح پر عوام الناس کو لاتعداد مسائل کا سامنا ہے، اگر انسانی زندگی میں آنے والے بے شمار مسائل کے اسباب کی دریافت کی جائے تو یقیناً ان میں سے ایک اہم سبب خواہشات نفس کی پیروی ہے، ذہنی تناؤ والجھاؤ کی وجہ بھی یہی ہے کہ لوگ خواہشات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ جب خواہشات پر کنٹرول کرنے کی بجائے اس کے مطابق زندگی گزاری جائے گی تو انجام کار فرد پریشانیوں کی دلدل میں اس حد تک دھنسے گا کہ پھر چاہنے کے باوجود اس سے باہر نکلنا دشوار کن ہوگا۔

دور حاضر کے انسان کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ ضروریات تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھنا چاہتا بلکہ خواہشات کی تکمیل بھی چاہتا ہے تاکہ وہ پورے طور پر اپنی زندگی سے لطف اندوز ہو سکے، خواہشات کو آج کل اس قدر مقبولیت حاصل ہو رہی ہے کہ اب لوگ خواہشات کو کم کرنے پر زور نہیں دیتے بلکہ انہیں بڑھانے کے بارے میں غور وفکر کرتے ہیں، مختلف میدانوں کی معروف شخصیات نوجوانوں کی اس طرح رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ اپنی خواہشات کو بڑھائیں، مثلاً کوئی بزنس کرنا چاہتا ہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ وہ بڑے بڑے خواب دیکھے تاکہ وہ اپنا کوئی بڑا ہدف متعین کر سکے اور پھر اس کو پانے کے لیے حتی الوسع کوشش کرے، نئی نسل کے لیے یہ ایک مہلک پیغام ہے کیونکہ اس سے اس کا ذہن پوری طرح سے مادی بن جائے گا، لمبے چوڑے خواب آنکھوں میں سجا کر انہیں شرمندۂ تعبیر کرنے میں نوجوان کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں، جو یقیناً نہ صرف ان کے لیے نقصان دہ بات ہوگی بلکہ دوسرے بھی اس کی زد میں آجائیں گے، مثال کے طور پر بہت سے لوگ منشیات کا کاروبار کرتے ہیں اور خوب رقم کماتے ہیں، جب کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ منشیات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا کر وہ ان کی زندگیوں کو تباہ کر رہے ہیں، مگر انہیں اس سے کیا مطلب کہ کون جیتا ہے اور کون مرتا ہے، کون مہلک امراض میں مبتلا ہو کر شب وروز درد وتکلیف میں مبتلا رہتا ہے اور کس کے لیے زندگی اجیرن بن جاتی ہے، بس انہیں تو دولت چاہئے، بہت سے لوگ جنسی بے راہ روی کا کاروبار کرتے ہیں اور خوب کماتے ہیں لیکن اس طرح کر کے وہ کتنے ہی لوگوں کو انتہائی غلط کام میں جھونک دیتے ہیں اور کتنی ہی لڑکیوں کے بے حیائی کے دھندے میں لے آتے ہیں، جس سے سماج پر انتہائی غلط اثرات پڑتے ہیں؛ لیکن انہیں سماج سے، لوگوں سے اور عورتوں سے کیا لینا دینا، انہیں تو بس پیسہ چاہئے، بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو امانت میں خیانت کرتے ہیں، چوری کرتے ہیں، ڈکیتی ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ قتل وغارت گری کا کاروبار کرتے ہیں، یقیناً ان سب کے پیچھے دولت کمانے کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔

اسلام میں ایسی کمائی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتدخل الجنة جسد غذی بحرام" ایسا بدن

جنت میں نہیں جائے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے ارشاد فرمایا ”والذی نفس محمد بیدہ ان العبدہ لیقذف اللقمة الحرام فی جوفه مایتقبل منه عمل اربعین یوما و ایما عبدنسبت الحمه من سحب فالنار اولی به“ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، آدمی اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے جس کی وجہ سے چالیس روز تک اس کا کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتا اور جس شخص کا گوشت پوست حرام سے پروان چڑھا ہو تو اس کے لیے تو جہنم ہی مناسب ہے۔

خواہشات کی پیروی انسان کے سوچنے کے انداز کو بدل دیتی ہے جس انسان کو انسانی اقدار کے بارے میں غور کرنا چاہئے، جسے لوگوں کی بھلائی کے بارے میں سوچنا چاہئے، جسے خدمت خلق کے بارے میں فکر مند ہونا چاہئے، جسے سادہ پرسکون زندگی گزارنے کے لیے کوشاں ہونا چاہئے وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ وہ کیسے بہترین عمارت بنائے جس میں تعیّشات کے سارے سامان موجود ہوں، گاڑی کیسے خریدے؟ کیسے ڈھیر سارا بینک بیلنس جمع کرے؟ کیسے لوگوں کی جیبوں سے پیسہ نکالے، کیسے موج ومستی کرے، کیسے اپنی شان کا مظاہرہ کرے، کیسے اچھے کھائے، مہنگے سے مہنگا لباس پہنے، مسلسل اس طرح سے سوچتے سوچتے اب وہ اپنی خواہشات کو عملی شکل دینے کے لیے قدم بڑھا دیتا ہے، الٹے سیدھے کام شروع کر دیتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ وہ زندگی کو بہتر بنانے کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اور زیادہ الجھا لیتا ہے، اپنے دن کے سکون کو غارت کر لیتا ہے اور راتوں کی نیندوں کو اڑا لیتا ہے، مگر اس کی خواہشات پھر بھی پوری نہیں ہوتیں، اچھا سا مکان پھر بھی نہیں بنتا، گاڑی پھر بھی نہیں خرید پاتا، بینک بیلنس پھر بھی جمع نہیں ہو پاتا، قناعت سے کام نہ لینے کی وجہ سے اخراجات میں اضافہ ہوجاتا ہے، اب گھر کے خرچوں کو پورا کرنے کی فکر ستانے لگتی ہے، بچوں کی شادی کی فکر بھی دامن گیر ہو جاتی ہے اور مکان کو ٹھیک ٹھاک کرنے کی بھی، ایک ساتھ کئی کئی مسائل آجاتے ہیں، اس طرح وہ اپنی فضول خرچی پر مبنی ضرورتوں کی تکمیل، سماجی تقاضوں کے مطابق بچوں کی شادی اور مکان کو درست کرنے کی کوشش میں ذہنی وقلبی سکون سے محروم ہو جاتا ہے۔

خواہشات نفس عام طور سے انسان کو اچھائی کی طرف نہیں برائی کی طرف لے کر جاتی ہیں، آج کل دولت کی خواہش کے علاوہ جنسی خواہشات کو بھی لوگ ڈھیلا چھوڑ رہے ہیں، کیونکہ ہر طرف موج مستی کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، اختلاط مردوزن کا ماحول بن رہا ہے، بہت سے لڑکوں ولڑکیوں کے درمیان دوستیاں پروان چڑھ رہی ہیں، کبھی پارکوں میں دیر تک ملاقاتیں ہو رہی ہیں، کبھی تنہائیوں میں باتیں ہو رہی ہیں، اور کبھی موبائل فون پر گفتگو کا سلسلہ جاری ہے، لڑکوں ولڑکیوں کے درمیان دوستی کے بعد جس خدشہ کا اظہار کیا جاسکتا ہے وہ اب حقیقت کی شکل میں سامنے آرہا ہے، بات صرف یہیں نہیں بلکہ ایک لڑکا کئی لڑکیوں سے اور ایک لڑکی کئی کئی لڑکوں سے دوستی کر رہی ہے، آج اس کے ساتھ تو کل کسی دوسرے کا ساتھ، کیونکہ نفس کی خواہش ایک دائرہ تک محدود نہیں رہنے دیتی اور جب کوئی نفسانی خواہشات کا غلام بن چکا ہو تو وہ کہاں اپنے آپ کو محدود رکھ سکتا ہے، خواہشات نفس کو آزاد چھوڑنے کا نتیجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں عریانیت اور جنسی بے راہ روی کا سیلاب آچکا ہے، صرف مغربی ممالک ہی نہیں بلکہ مشرقی ممالک میں بھی اب زنا کی اتنی وارداتیں ہو رہی ہیں کہ ”الامان والحفیظ“۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں عریانیت وفحاشیت اور زنا کاری کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ”ولا تقربوا الزنیٰ إنه کان فاحشة و ساء سبیلاً“ اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بری راہ۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۲)

﴿بقیہ...... صفحہ ۱۹ پر﴾

انکشافات

اردن میں دو نئی معلومات

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کراچی

میں اردن کے دو سفروں کی روداد اپنے سفر نامے ''احد سے قادسیوں تک'' میں لکھ چکا ہوں، جو ''جہان دیدہ'' میں شائع ہوا ہے، اس کے بعد بھی بار بار جانا ہوتا رہا ہے، لیکن شوال ۱۴۳۱ھ میں میرا اردن کا جو سفر ہوا اس میں دو معلومات نئی حاصل ہوئیں، وہ اس مضمون کے ذریعے مختصراً قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہوں۔

حکومت اردن کی سرپرستی میں ایک ادارہ ''مؤسسۃ آل البیت للفکر الاسلامی'' کے نام سے قائم ہے، جس کے سربراہ شہزادہ غازی بن محمد (ملک عبداللہ شاہ اردن کے عم زاد مشیر خاص) بڑے علمی ذوق کے حامل ہیں، اور میری عربی اور انگریزی تالیفات کے واسطے سے مجھ سے غائبانہ متعارف ہی نہیں؛ بلکہ بڑی محبت رکھتے ہیں، اور ان سے خط وکتابت کا رشتہ بھی قائم ہے، وہ کئی سال سے مجھے اس ادارے کے مختلف اجتماعات میں شرکت کی دعوت دیتے رہے ہیں، لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے ان اجتماعات میں شرکت سے قاصر رہا، اس مرتبہ انہوں نے شوال میں اس ادارے کے زیر اہتمام ''ماحولیات اور اسلام'' کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس طے کی تھی، اتفاق سے یہ دن ایسے تھے کہ میرے لیے جانا آسان بھی تھا، میں ماحولیات کے مسائل کے بارے میں فنی معلومات بھی حاصل کرنا چاہتا تھا اور مجھے بعض عربی تالیفات کی طباعت کے سلسلہ میں کچھ ضروری کام بھی تھے، اس لیے میں نے شرکت کا ارادہ کرلیا اور ہفتہ ۱۵ ؍شوال کی دوپہر کو عمان پہنچ گیا۔

وہ درخت:

شام پانچ بجے شہزادہ غازی خان مجھ سے ملاقات کے لیے ہوٹل آئے، اور مختلف موضوعات پر گفتگو کے دوران انہوں نے بتایا کہ اردن میں وہ جگہ دریافت ہوئی ہے جہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوعمری کے زمانے میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تشریف لائے تھے اور وہاں بحیرہ راہب سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی، وہاں وہ درخت ابھی تک موجود ہے جس کے سائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، اور اگر آپ میرے ساتھ وہاں جانا چاہیں تو میں آپ کو وہاں لے جاؤں، میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات تھی، میں نے بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ دعوت قبول کرلی، چنانچہ کانفرنس ختم ہوتے ہی شہزداہ غازی ہمیں ایک فوجی ائیر پورٹ لے گئے، وہاں ایک بڑا ہیلی کاپٹر تیار تھا، جس میں تقریباً دس آدمیوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا، شہزادے کے ساتھ ان کے گھر کے کچھ بچے بھی تھے اور میرے علاوہ نئے شیخ الازہر احمد الطیب، مصر کے مفتی علی جمعہ اور شہزادے کے ذاتی محافظین کے بھی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے، ہیلی کاپٹر عمان سے شمال مشرق کی طرف سفر کرتا ہوا تقریباً پچاس منٹ میں منزل مقصود پر پہنچا، یہ پورا راستہ لق ودق صحرا پر مشتمل تھا، جس میں کہیں چھوٹے چھوٹے خشک ٹیلے اور زمین سے چپکی ہوئی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں ضرور دکھائی دے جاتی تھیں، اور وہ بھی گرمی سے جھلسی ہوئیں، پچاس منٹ کے سفر کے بعد ہیلی کاپٹر اسی صحرا میں اترا تو افق سے افق تک پھیلے ہوئے ریگستان کے عین درمیان ایک ہرا بھرا درخت نظر آیا جو اس لق دق صحرا میں نمایاں دکھائی دے رہا تھا، یہی وہ درخت تھا جس کے بارے میں یہ اندازہ کیا جارہا ہے کہ اسی کے سائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف فرما ہوئے تھے۔

پہلے اس واقعے کا خلاصہ عرض کردینا مناسب ہے جو حدیث اور سیرت کی مختلف کتابوں میں مختلف طریقے سے بیان ہوا ہے، جامع ترمذی میں مضبوط سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے آپ کے چچا ابو طالب قریش کے کچھ بزرگوں کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے اور حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کے ساتھ تھے، جب شام کے علاقہ میں پہنچے تو وہاں ایک عیسائی راہب کی خانقاہ کے پاس انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ (محمد بن اسحاق وغیرہ کی روایت میں اس راہب کا نام ''بحیرا'' بیان کیا گیا ہے)

اس بات سے تمام روایات متفق ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ اپنے شام کے سفروں میں بھی اس راہب کے آس پاس سے گزرا کرتے تھے، لیکن وہ پہلے کبھی نہ تو اپنی خانقاہ سے نکلتا تھا اور نہ کبھی ان کی طرف کوئی توجہ دیتا تھا، لیکن اس مرتبہ جب انہوں نے پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب آکر ان کے درمیان گھس گیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ کر کہنے لگا کہ ''یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا'' قریش کے لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں کیا پتہ؟ راہب نے کہا کہ جب تم لوگ سامنے کے گھاٹی سے سامنے آئے تو ہر درخت اور ہر پتھر نے ان کو سجدہ کیا، درخت اور پتھر نبی کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں نے انہیں مہر نبوت کے ذریعہ پہچان رہا ہوں، جو ان کے مونڈھے کی ہڈی سے نیچے سب کی طرح موجود ہے، پھر اس نے قافلے کے لیے کھانا تیار کیا، ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ کھانا وہیں درخت کے پاس لے کر آیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں کو چرانے گئے ہوئے تھے، جب واپس تشریف لائے تو قافلے کے دوسرے لوگ درخت کے سائے میں بیٹھ چکے تھے، اور اب سائے میں بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی، لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو درخت کی شاخوں نے جھک کر آپ پر سایہ کردیا، اس پر راہب نے لوگوں کو متوجہ کرکے کہا کہ دیکھو درخت ان پر جھک کر سایہ کر رہا ہے، اس کے بعد اس نے پوچھا کہ ان کے سرپرست کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابو طالب ہیں، راہب نے ابو طالب سے پرزور مطالبہ کیا کہ آپ انہیں آگے لے کر نہ جائیں، کیونکہ روم کے لوگ انہیں پہچان لیں گے، تو انہیں قتل کردیں گے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ (جامع ترمذی ابواب المناقب، باب بدء النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۲۰)

ترمذی کی اس روایت کے بارے میں محدثین کا کہنا ہے کہ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ اس روایت کے آخر میں جو یہ مذکور ہے کہ جب راہب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیجنے کا مشورہ دیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں موجود تھے، انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں واپس روانہ کردیا، محدثین نے فرمایا کہ یہ بات یقینی طور پر غلط ہے، اس لیے کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت بلال یا تو پیدا ہی نہ ہوئے ہوں گے یا اتنے چھوٹے ہوں گے کہ ان کے ساتھ آپ کو بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بعد خریدا تھا، اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا ہے، اس بنا پر بعض حضرات نے تو اس روایت کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے، لیکن محقق محدثین مثلاً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس کی وجہ پوری روایت کو غلط کہنا درست نہیں، کیونکہ اس کی سند مضبوط ہے، البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری حصے میں کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۱۰/۹۳)

صحیح روایتوں میں اس قسم کی جزوی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کا روایت کے مرکزی مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے پوری روایت کو غلط نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ یہی روایت مسند بزار میں آئی ہے جس میں واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے، جیسے ترمذی کی روایت میں مذکورہ ہے،

لیکن اس میں یہ جملہ موجود نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس روانہ کر دیا۔ (مسند بزار، مسند ابی موسی الاشعری جلد۱/صفحہ ۴۶۷/رقم الحدیث ۳۰۹۶)

محمد بن اسحاق کی متعدد روایتوں میں واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ جب یہ قافلہ بحیرا راہب کی خانقاہ کے قریب پہنچا تو بحیرا نے دیکھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بادل سایہ کئے ہوئے ہے، اور درخت کی شاخیں بھی آپ پر جھک گئی ہیں، یہ دیکھ کر بحیرا کو جستجو پیدا ہوئی اور اس نے قافلے والوں کو دعوت دی کہ میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا ہے، اس لیے آپ سب لوگ میرے پاس کھانے کے لیے تشریف لائیں، سب آ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، بحیرا نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا آپ تمام ساتھی آ گئے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ سب آ گئے ہیں، بس صرف ایک کمسن لڑکا ہے جو اپنے کجاوے میں رہ گیا ہے، بحیرا نے اصرار کر کے آپ کو بلایا اور آپ سے بہت سے سوالات کئے اور آپ کے مبارک کندھے پر مہر نبوت دیکھی پھر ابو طالب سے پوچھا کہ اس لڑکے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟ ابو طالب نے کہا کہ میرے بیٹے ہیں، بحیرا نے کہا کہ یہ آپ کے بیٹے نہیں اور ان کے والد زندہ نہیں ہو سکتے، تب ابو طالب نے بتایا کہ یہ میرے بھتیجے ہیں اور ان کے والد فوت ہو چکے ہیں، اس پر بحیرا نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ انہیں واپس لے جائیں اور یہودیوں سے ان کی حفاظت کریں، چنانچہ ابو طالب خود انہیں واپس لے آئے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱۸۲/۱۸۳)

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں بھی یہ واقعہ بہت ساری سندوں سے روایت کیا ہے، جن میں سے کچھ ترمذی کی روایت کے مطابق ہیں اور کچھ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق۔ (تاریخ ابن عساکر جلد۳/صفحہ۴ تا ۱۲)

بہر حال واقعہ کی جزوی تفصیلات میں تو روایتیں مختلف ہیں؛ لیکن اتنی بات پر تمام روایتوں کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں بحیرا راہب کی خانقاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا اور درخت کی شاخیں آپ پر جھک گئی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بحیرا نے آپ میں نبوت کی کئی علامتیں دیکھی تھیں جس کی بنا پر اس نے قافلے والوں کی دعوت کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کے طور پر پہچان کر ابو طالب کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں واپس بھیج دیں، واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کے طور پر تشریف لانے کی خبر تورات اور انجیل میں واضح طور پر دی گئی تھی جن میں بعض آج بھی متعدد تحریفات کے باوجود بائبل میں موجود ہیں، جن کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اپنی کتاب ''اظہار الحق'' میں ان کا مفصل ذکر فرمایا ہے، جس کا اردو ترجمہ راقم کی شرح و تحقیق کے ساتھ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے شائع ہوا ہے، نیز ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پیشین گوئیوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ علامتیں مختلف پیغمبروں نے زبانی بھی بتا رکھی ہوں گی، جو سینہ بسینہ روایتوں کی شکل میں بھی اہل کتاب کے پاس موجود تھیں، یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہل کتاب نبی آخری الزماں کی آمد کے انتظار میں تھے، چنانچہ وہ بت پرستوں سے مقابلے کے وقت اللہ تعالی سے دعا کرتے تھے کہ انہیں جلدی بھیج دیجئے جیسا کہ قرآن کریم کی سورہ بقرہ کی آیت ۸۹/ میں بیان فرمایا ہے، ان حالات میں بحیرا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ علامات محسوس کر کے یہ یقین کر لیا کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں، اس لیے یہ مشورہ دیا۔

اب یہ جگہ کونسی تھی جہاں یہ درخت واقع تھا؟ اس کے بارے میں شہزادہ غازی خان کا کہنا یہ ہے کہ انہیں بادشاہ کی طرف سے یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ اردن میں پائی جانے والی ان تاریخی یادگاروں کی تحقیق کریں جن کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو، چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں ان وثائق کی چھان

بین شروع کی جو حکومت کے پاس محفوظ تھے، ان وثائق میں جو غالبًا خلافت عثمانیہ کے دور سے محفوظ چلے آتے تھے، انہیں ان درخت کا ذکر ملا جس کے نیچے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، اور یہ کہ وہ درخت ابھی تک زندہ ہے، وثائق کی رہنمائی سے انہوں نے اس کی تلاش شروع کی تو پتہ لگا کہ کچھ عرصہ پہلے تیل کی ایک پائپ لائن کے سروے کرتے ہوئے وہ شاہ راہ دریافت ہوئی جو کسی بازنطینی بادشاہ نے اس غرض سے بنائی تھی کہ حجاز کے تاجر اس کے ذریعہ اطمینان سے ملک شام کا سفر کرسکیں، اس دریافت سے انہیں مزید مدد ملی، اور انہوں نے اسی شاہراہ کو بنیاد بنا کر علاقے کا سروے کیا، تو انہیں یہ عجیب وغریب درخت دریافت ہوا جو سینکڑوں مربع کلومیٹر میں پھیلے ہوئے صحرا کے درمیان تنہا درخت تھا جو زندہ اور توانا کھڑا ہوا تھا، اسی درخت سے کچھ فاصلے پر انہیں ایک عمارت کے کھنڈر بھی نظر آئے جس کے بارے میں یہ امکان تھا کہ شاید یہ بحیرا راہب کی خانقاہ ہوگی، انہوں نے آس پاس کے رہنے والے بدوؤں سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے خاندانوں میں یہ بات تواتر کی حد تک مشہور ہے کہ اس درخت کے نیچے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، ان تمام شواہد کی روشنی میں حکومت اردن نے اس جگہ کی حفاظت کے لیے اس کے گرد احاطہ بنا دیا ہے، جب یہ درخت پہلی بار شہزادہ غازی کو دریافت ہوا، اس وقت وہ زندہ ضرور تھا اور اس کی ایک زندہ درخت کی پوری ہیئت بھی برقرار تھی لیکن شاخیں کچھ سوکھی ہوئی تھیں، اس کے بعد اسے پانی دینے کا اہتمام کیا گیا جس کے بعد وہ بالکل تروتازہ اور سرسبز ہوگیا۔

یہ بات وہاں جاکر بالکل واضح طور پر نظر آتی ہے کہ یہ کوئی غیر معمولی درخت ہے، اس لیے سینکڑوں مربع کلومیٹر دور تک نہ کسی درخت کا نام ونشان ہے اور نہ وہاں پانی پہنچنے کا راستہ نظر آتا ہے، اس لحاظ سے یہ بات کوئی بعید یا تعجب خیز نہیں ہے کہ اس درخت سے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ظاہر ہوا تھا، اور اس کی بنا پر بحیرا راہب کو آپ میں خاتم الانبیاء کی علامتیں نظر آئی تھیں، اس لیے اللہ تعالی نے اسے معجزاتی طور پر باقی رکھا ہو، بالخصوص جب کہ اس درخت سے تقریباً سو میٹر کے فاصلے پر ایک عمارت کے کھنڈر بھی موجود ہیں جن کا رخ اسی درخت کی طرف ہے۔

جہاں تک اس کے محل وقوع کا تعلق ہے سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بحیرا سے ملاقات کا واقعہ شام کے شہر بصرہ میں پیش آیا تھا، اور حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ بحیرا راہب ایک بستی میں رہتا تھا جس کا نام ''کفر'' تھا اور وہ بستی بصرہ شہر سے چھ میل دور تھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۴۰)

یہاں یہ واضح رہنا بھی مناسب ہے کہ اس زمانے میں ہر بستی کو ''کفر'' (کاف اور فاء دونوں کے زبر کیساتھ) کہا جاتا ہے اور اس کے امتیاز کے لیے ''کفر'' کے ساتھ کوئی اور لفظ لگادیتے تھے، جیسے ''کفرناحوم'' آج بھی شام اور اردن میں بہت بستیاں ''کفر'' کے نام سے موسوم ہیں۔

اگر یہ بات درست مانی جائے کہ بحیرا کی بستی بصرہ سے چھ میل دور تھی تو بظاہر اس کا محل وقوع وہ نہیں ہونا چاہئے جو اس درخت کا ہے کیونکہ بصرہ شہر یہاں سے کافی فاصلے پر شام کی سرحد کے اندر واقع ہے، علاقے کے نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ سے قریب ترین بستی ''ازرق'' ہے اور اس کے بعد شام (سوریا) کی سرحد آتی ہے، جس کے بعد پہلا شہر بصرہ ہے، بصرہ یہاں سے کتنا دور ہے؟ اس کی مجھے تحقیق نہیں ہوسکی، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ یہ فاصلہ چھ میل سے زیادہ ہے، البتہ بصرہ چونکہ اس وقت بہت بڑا شہر تھا، اس لیے یہ امکان موجود ہے کہ ''بصرہ'' کا لفظ صرف اس شہر کے لیے نہیں بلکہ اس کے مضافات میں ایک بڑے علاقے کے لیے بولا جاتا ہو جس میں ازرق اور یہ جگہ بھی شامل ہو۔

تاہم مندرجہ ذیل علامتیں اس دریافت کے حق میں جاتی ہیں:

(۱) یہ جگہ اسی شاہراہ کے قریب واقع ہے جو اس زمانے میں تجارتی قافلے حجاز سے شام جانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

(۲) یہ شمال مشرق کی اسی سمت میں واقع ہے جو بصرہ کی سمت ہے۔

(۳) اس کے اور بصرہ کے درمیان کوئی بڑا شہر حائل نہیں، ازرق ایک چھوٹی بستی ہے۔

(۴) علاقے کے لوگوں میں یہ بات شہرت یا تواتر کی حد تک معروف ہے کہ یہ درخت وہی ہے جس کے نیچے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، اور ان معاملات میں تسامع بھی مضبوط دلیل سمجھی جاتی ہے۔

(۵) اس بے آب وگیاہ صحرا میں اس درخت کا زندہ رہنا یقیناً ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔

(۶) اسی درخت کے قریب ایک پرانی خانقاہ کے کھنڈر بھی اب تک موجود ہیں۔

(۷) شہزادہ غازی کو قدیم وثائق میں اس جگہ کی جو نشاندہی ہوئی وہ اس دریافت سے مطابقت رکھتی ہے۔

(۸) درخت کی دور تک پھیلی ہوئی جڑیں اس کی قدامت کی واضح علامت ہیں۔

ان وجوہ سے مکمل یقین تو نہیں ہوسکتا لیکن یہ قوی احتمال ضرور قائم ہوتا ہے کہ یہ وہی درخت ہوگا اور قوی احتمال بھی ایک محبت کرنیوالے کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے کافی ہے، چنانچہ ہم نے اس درخت کی زیارت کی سعادت حاصل کی، یہ ایک پستے کا درخت ہے اور شہزادہ غازی نے بتایا کہ اس پر اب بھی پستہ آتا ہے اور میں نے کھایا بھی ہے، درخت کی چھاؤں یوں بھی بڑی خوشگوار ہے، چشم تصور نے یہاں اس محبوب ودلنواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ افروز دیکھا، اس نے اس چھاؤں میں وہ مٹھاس پیدا کردی تھی جو کسی اور سائے میں حاصل نہیں ہوسکتی "اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ أجمعین۔

اس درخت اور اس کے ماحول میں کچھ دیر گزاری تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، چنانچہ اسی چھاؤں میں بفضلہ تعالیٰ عصر ادا کرنے کی توفیق ہوئی، نماز اور دعا کے بعد ہم دوبارہ ہیلی کاپٹر میں سوار ہوکر عمان واپس آئے۔

دوسری دریافت -ہرقل کے نام مکتوب نبویؐ:

شام کی اسلامی فتوحات کے موضوع پر اب تک جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں، ان میں سب سے زیادہ تحقیقی کتاب وہ ہے جو زمانہ حال کے ایک محقق احمد کمال نے "الطریق الی دمشق" کے نام سے لکھی ہے اور ۱۴۰۰ھ میں دار النفائس بیروت سے پہلی بار شائع ہوئی ہے، اس کے مصنف فنون حرب کے ماہر ہیں اور اس کے ساتھ انہوں نے تاریخی روایات کی چھان پھٹک میں بھی بہت محنت اٹھائی ہے اور ہر جنگ بالخصوص جنگ یرموک کی جنگی حکمت عملی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور نقشوں کی مدد سے پوری صورت حال کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، اردن کے اسی سفر میں مجھے غزوہ یرموک کے میدان میں بھی حاضر ہونے کا موقع ملا جو اربد شہر کے قریب اور رجولان کی پہاڑیوں کے سامنے واقع ہے اور اس مرتبہ چونکہ وہ کتاب پڑھے ہوئے تھا، اس لیے میدان جنگ کا نقشہ سمجھنے میں اس سے بہت مدد ملی۔

اسی کتاب کے مطالعہ کے دوران میں نے (اس کے صفحہ ۱۳۸) پر دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو جو خط بھیجا تھا، وہ اصل خط دریافت ہوگیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک عرب خاتون نے جو کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور لندن میں مقیم تھیں، یہ دعوی کیا تھا کہ ہرقل کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ان کے پاس محفوظ ہے اور ان کے خاندان میں نسلاً منتقل ہوتا چلا آیا ہے، اور انہیں اس شرط کے ساتھ وراثت میں ملا ہے، کہ کسی مسلمان حاکم کے سوا کوئی اور شخص اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرے، ان کا یہ دعوی سن کر متحدہ عرب امارات کے مشیر ثقافی ڈاکٹر عزالدین ابراہیم جو اصلاً مصری ہیں اس خاتون کے پاس سفر کر کے گئے، اور اس خط کی اصلیت کی تحقیق کے لیے متعدد علمی طریقے اختیار کئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ خط اصلی ہے، اس کے لیے انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے۔

(۱) خط کی عبارت من وعن وہی ہے جو حدیث اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲) مختلف قسم کے ٹیسٹ کرنے سے معلوم ہوا کہ مکتوب جس چمڑے پر لکھا گیا ہے، اس کی دباغت اس قدیم طریقے پر ہوئی ہے جو پہلی صدی ہجری میں رائج تھا، دباغت کا زیادہ مستحکم طریقہ دوسری صدی ہجری میں رائج ہوا تھا جیسا کہ برطانوی عجائب گھر میں محفوظ بہت سے وثائق سے ثابت ہوتا ہے، اس چمڑے کی دباغت اس طریقے پر نہیں ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی صدی ہجری کا چمڑا ہے۔

(۳) بنفشجی شعائیں ڈال کر خط کو دیکھا گیا تو اس کی روشنائی بہت قدیم ثابت ہوئی، نیز یہ ثابت ہوا کہ اس چمڑے پر اس مکتوب کی عبارت کے سوا کبھی کوئی اور تحریر نہیں لکھی گئی۔

(۴) روشنائی کا کیمیاوی تجزیہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ بہت گہری روشنائی ہے جو ابھی تک واضح طور پر پڑھی جاتی ہے، اور یہ اسی قسم کی روشنائی ہے جو اس زمانے کی دوسری تحریروں میں استعمال کی جاتی تھی، جس کے بہت سے شواہد ابھی تک موجود ہیں، یہ تحقیقات ڈاکٹر زید نے کی ہیں جو چمڑے کی تحقیق اور تجزیہ کے مشہور اختصاصی ماہر ہیں، اور انہوں نے کہا ہے کہ اس چمڑے کی عمر کم سے کم ایک ہزار سال ضرور ہے (یعنی ایک ہزار سال سے زیادہ ہوسکتی ہے کم نہیں)۔

اس کتاب میں یہ بات پڑھنے کے بعد مجھے معلوم نہیں تھا کہ اب یہ خط کہاں اور کس کے پاس ہے؟ لیکن اردن کے حالیہ سفر میں کانفرنس کے شرکاء کو اردن کے تاریخی مآثر کے تعارف پر مشتمل ایک کتابچہ دیا گیا، جس میں یہ درج تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی اب حکومت اردن کے پاس ہے اور وہ اس نے ایک متحف (میوزیم) میں رکھ دیا ہے، مجھے اس کی زیارت کا اشتیاق ہوا، تو میں نے شہزادہ سے یہ خواہش ظاہر کی؛ لیکن انہوں نے بتایا کہ وہ مکتوب ہم ابھی تک عام زیارت کے لیے کھول نہیں سکے (کیونکہ اس کی مزید حفاظت کے لیے اس پر کچھ کام ہو رہا ہے) اس لیے اس سفر میں اس کی زیارت نہیں ہوسکی، البتہ یہ محققین کے لیے ایک میدان عمل ہے کہ وہ سامنے آئیں، تو اس کے بارے میں اپنی تحقیق کے نتائج سے امت کو آگاہ کریں۔ (بشکریہ! ترجمان دیوبند)

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ......صفحہ ۱۳ر کا﴾ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تفتح ابواب السماء نصف الليل فينادى مناد هل من داع فيستجاب له هل من سائل فيعطى هل من مكروب فيفرج عنه فلايبقى مسلم يدعو بدعوة الا استجاب الله عزوجل الا زانية تسعى بفرجها اوعشاراً" آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جسے نوازا جائے؟ کیا کوئی پریشان حال غمزدہ ہے جس کی پریشانی دور کی جائے، پس کوئی دعا مانگنے والا مسلمان باقی نہیں بچتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے، سوائے اپنی شرمگاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے، مگر افسوس نہ جانے کتنے مسلمان بھی نفس کے اسیر بن رہے ہیں اور زنا کاری میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں، نہ جانے کتنے لوگ ایک عرصہ تک خواہشات نفس کے قیدی رہنے کے بعد اب اس سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں؛ لیکن ایک طویل وقت تک غلط کاری میں ملوث رہ کر اس دلدل سے نکل نہیں پا رہے ہیں کیونکہ خواہشات نفس کی گرفت ان کے گرد اتنی مضبوط ہو چکی ہے کہ اس سے نکل پانا آسان بات نہیں ہے، تمام مسلمانوں کو اپنی زندگی کے شب و روز کا محاسبہ کرنا چاہئے، اس سے پہلے کہ خواہشات نفس کی گرفت ان کے گرد مضبوط ہو وہ خواہشات کی پیروی چھوڑ دیں، یاد رکھنا چاہئے کہ خواہشات سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، وہی شخص خواہشات سے مقابلہ کرسکتا ہے جس پر خشیت الٰہی طاری ہو، جو آخرت میں جوابدہی کا احساس رکھتا ہو اور جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔ ❁❁❁

سفرنامہ

دہلی اور میوات کا ایک یادگار سفر

محمد مسعود عزیزی ندوی

حافظ ایوب صاحب سے ملاقات:

۶؍مارچ ۲۰۱۱ء بروز اتوار جنوبی افریقہ کے ایک معزز مہمان جناب حافظ محمد ایوب صاحب کاڑوا سے ملاقات کے لیے ''مدرسہ تجوید القرآن'' آزاد مارکیٹ دہلی میں جانا ہوا، حضرت حافظ صاحب کے کہنے کے مطابق جناب مولانا محمود حسن صاحب ناظم مدرسہ نے ان تمام ذمہ داران مدارس کو مدعو کیا تھا جن کا حضرت حافظ صاحب سے تعلق ہے اور حافظ صاحب ان کا تعاون کرتے ہیں، چونکہ وہ بہت تھوڑے وقت کے لیے دہلی آئے تھے، اس لیے آس پاس کے اضلاع کے علماء وذمہ داران مدارس کو ایک وقت میں ملاقات کے لیے دعوت دی گئی تھی۔

چنانچہ نامہ سیاہ اپنے ایک عزیز شاگرد مولوی سید محمد فاروق ندوی کو ساتھ لے کر دہلی پہنچا، مغرب بعد مدرسہ تجوید القرآن میں پہنچے، وہاں مدرسہ کے ایک ہال میں سینکڑوں علماء کا مجمع تھا، حضرت حافظ صاحب گفتگو فرما رہے تھے اور اپنے تجربات کی روشنی میں واقعات سنا رہے تھے، جو لوگ پہلے سے بیٹھے تھے اور جانا چاہ رہے تھے، وہ جا رہے تھے اور آنے والے دور دراز سے سفر کرکے حاضر ہو رہے تھے، دیر تک سلسلہ چلتا رہا، اس کے بعد کھانا کھایا اور پھر نماز عشاء ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد پھر مجلس کا سلسلہ جاری رہا، رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک اجتماعی طور پر باتیں ہوتی رہیں، پھر انفرادی طور پر جن سے حافظ صاحب کو خاص بات کرنی تھی، ان سے ملاقات کرتے رہے، اکثر لوگ تو لیٹ چکے تھے، مگر حافظ صاحب بعض حضرات کے ساتھ ۴؍بجے تک مشغول رہے، فجر کی نماز بعد جب کہ وہ رخصتی کا مصافحہ کرنا چاہتے تھے، پھر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئے۔

حافظ صاحب کی بعض خصوصیات:

حضرت حافظ صاحب نسلاً گجراتی ہیں، مگر خود ان کی پیدائش جنوبی افریقہ کی ہے، انہوں نے گجرات میں تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عالمیت کا خصوصی کورس کیا، اصلاً ان کا پیشہ تجارت ہے، مگر ان کو مدارس اور اہل مدارس سے خاص دلچسپی بلکہ شغف ہے، وہ تقریباً ۹۰؍سے زیادہ مدارس کا تعاون کرتے ہیں، اور جس آدمی سے جو وعدہ کر لیتے ہیں، اس کو اپنے ذمہ لازم سمجھ لیتے ہیں، پھر اس کو نبھاتے ہیں، ورنہ تو بعض اچھے اچھے دیندار، جماعتی تجار کو دیکھا ہے کہ جب سامنے آدمی ہوتا ہے، وعدہ کر لیتے ہیں، بعد میں جب ان کو وعدہ یاد دلایا جاتا ہے تو اس کو برا سمجھتے ہیں اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تمہارا کچھ قرض بیٹھے؟ لیکن حضرت حافظ صاحب اس معاملے میں اپنی مثال آپ ہیں، خود اہل مدارس سے انکی ضرورتیں پوچھتے رہتے ہیں پھر جس سے کسی بات کا اقرار کر لیا تو اپنی زبان کا پورا پاس ولحاظ کرکے اس کو نبھاتے ہیں، خلاف شرع بات اور غیر اسلامی وضع قطع کو ذرا بھی برداشت نہیں کرتے، یہاں تک کہ کسی کے موبائل میں موسیقی والی گھنٹی بھی پسند نہیں کرتے اور اپنے سامنے بدلواتے ہیں، اپنے شہر میں آنے والے علماء اور سفراء کو کھانا کھلانا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں، اور اس کا اہتمام سے التزام کرتے ہیں، غرضیکہ بعض خصوصیات میں حافظ صاحب صرف تجار ہی میں نہیں بلکہ علماء میں بھی ممتاز ہیں، اس وقت

ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی سے ہے، ان کو کشمیر جانا تھا، اس لیے تقریباً ۸/ بجے وہ ایئر پورٹ کے لیے نکل گئے۔

مدرسہ تجوید القرآن دھلی:

مدرسہ تجوید القرآن، قرآن کریم کی خدمت میں مشہور ہے، اس کے بانی جناب حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب جو حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی کے شاگردوں میں سے تھے، انہوں نے ۱۹۴۶ء میں یہ مدرسہ قائم کیا، قرآن کریم کی طرف خاص توجہ دی، جس کی بنا پر لوگوں کا خوب رجوع ہوا، اور بیرون ہند کے مخیرّین اور تجار کی خاص عنایت وتوجہ بلکہ ان کے قیام کا خاص مرکز بن گیا، چنانچہ وہاں ان کے معیار کے مطابق تمام تر سہولیات بھی مہیا کی گئیں اور بہترین شاندار مہمان خانہ بنایا گیا، اس لیے عام طور پر وہاں بیرونی مہمان ٹھہرنا پسند کرتے ہیں، اس وقت تقریباً ۳۲۵/ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ۱۴/ اساتذہ تدریسی خدمات میں مشغول ہیں، اور مدرسہ کی جدید عمارت پانچ منزلہ ہے، جب کہ گراؤنڈ فلور بھی ہے، اس وقت بانی مدرسہ کے خلف الصدق جناب مولانا محمود حسن صاحب مدرسہ کے ناظم ہیں۔

مدرسہ قاسم العلوم سرائے روھیلہ میں:

راقم نے یہاں سے فراغت کے بعد دہلی کے بعض مخیرین سے ملنے کا بھی پروگرام بنایا تھا، تاکہ اپنے مدرسہ کا فائدہ ہو جائے، اس کام میں معاونت کے لئے جناب مولانا مفتی ظہور الدین قاسمی ناظم مدرسہ قاسم العلوم سرائے روہیلہ دہلی کو منتخب کیا تھا، جن سے کئی سالوں سے ایک ہمدردانہ اور مخلصانہ دوستی ہے، وہ خود صبح کو یہاں موجود تھے، اس لیے ان کی معیت میں پہلے تو ان کے مدرسہ قاسم العلوم سرائے روہیلہ میں گئے، وہاں ناشتہ وغیرہ کر کے تقریباً ۱۱/ بجے کے بعد بذریعہ میٹرو ٹرین چاندنی چوک کے علاقہ میں پہنچے اور چوری بازار، مینا بازار جامع مسجد میں تقریباً ایک درجن تجار حضرات سے ملاقات کی اور تعارف ہوا، پھر وہیں ہوٹل پر کھانے سے فراغت کے بعد عصر کے وقت قیام گاہ پر مفتی صاحب کے مدرسہ میں پہنچے، یہ مدرسہ مفتی صاحب نے یکم اگست ۱۹۸۳ء میں قائم کیا تھا، اس وقت اس میں دو سو طلبہ پڑھتے ہیں، ۱۸/ اساتذہ خدمت میں مشغول ہیں، حفظ وناظرہ قرآن کریم کے ساتھ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نصاب کے مطابق عربی سوم تک تعلیم ہو رہی ہے، یہ مدرسہ ندوۃ العلماء کی شاخ ہے، مدرسہ کی تین چار منزلہ عمارت ہے۔

المرکز الاسلامی للدعوۃ والتعلیم ڈھاک پوری میں:

اگلے دن ۸/ مارچ کو مفتی صاحب نے اپنے وطن ڈھاک پوری میوات ضلع الور راجستھان لے جانے کا پروگرام بنایا تھا، جہاں پر انہوں نے ایک دینی مرکز "المرکز الاسلامی للدعوۃ والتعلیم" بھی قائم کیا ہے، جو فی الحال مکتب کی شکل میں ان کے گھر پر چل رہا ہے، اور اس کے لیے ۲/ بیگہ پختہ زمین بھی خرید لی ہے، جہاں پر لڑکے اور لڑکیوں کے لیے مدرسہ کی تعمیر کا منصوبہ ہے، اس وقت چہار دیواری کی تعمیر ہو رہی ہے، چنانچہ رات کو قیام کر کے صبح تقریباً ۹/ بجے بذریعہ کار دہلی سے سفر کر کے اس مدرسہ کی زیارت کے لیے چلے، ساتھ میں مفتی ظہور الدین صاحب قاسمی اور ان کے دو بیٹے مولوی محمد یوسف ندوی ومولوی محمد لقمان اور مفتی صاحب کے ایک مقتدی تسلیم بھائی اور راقم کے رفیق سفر مولوی سید محمد فاروق ندوی تھے، مدرسہ کی مجوزہ جگہ پر ۱۲/ بجے کے قریب پہنچے، جگہ ماشاء اللہ بہت کشادہ، بہت اچھی، جس کو تین طرف سے پہاڑی سلسلہ گھیرے ہوئے ہے، جو ایک اچھا منظر پیش کر رہا تھا، طبیعت بہت خوش ہوئی، جگہ کی پیائش کی اور تعمیری پلان بنایا، کچھ دیر وہاں ٹھہرے اور دعا کر کے مفتی صاحب کے گاؤں ڈھاک پوری پہنچے، جس جگہ ابھی مکتب چل رہا ہے، وہ جگہ دیکھی، پھر کھانے سے فراغت کے بعد مکتب میں نماز ظہر ادا کی، اور تھوڑی دیر ٹھہرے، گاؤں بالکل غیر ترقی یافتہ، بیک ورڈ اور پچھڑا ہوا ہے، جہالت کا عام ماحول ہے، جس کی وجہ سے لوگوں میں لڑنے جھگڑنے کا عام مزاج ہے،

یہاں سے تقریباً ڈھائی بجے دہلی کے لیے روانہ ہوئے، یہ خیال کر کے کہ جلدی ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔

موسی کا محل:

مگر گاؤں سے نکلنے کے بعد بائیں طرف ایک اونچی پہاڑی پر ایک عمارت نظر آئی، استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ کسی ہندو راجہ کا قلعہ تھا، دیکھنے کی خواہش ہوئی، اس لیے اس کو دیکھنے کا پروگرام بنایا، اور قصبہ تجارہ سے جو وہاں کی ریاست رہا ہے، ایک کچے راستہ سے قلعہ کے پاس پہنچے، یہ تجارہ تحصیل سے مشرق میں ۳ رکلومیٹر کی دوری پر ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے، چونکہ پہاڑ کی بلندی کافی ہے، اس لیے اس پر پہنچنے کے لیے پہاڑ کو ایک طرف سے تراش کر اس طرح راستہ بنایا ہے، جس طرح کسی بلند عمارت پر چڑھنے کے لیے موڑ والا زینہ بنایا جاتا ہے، چنانچہ کار کے ذریعہ بہت احتیاط سے اوپر پہنچے، یہاں کے لوگوں میں یہ موسی کے محل سے مشہور ہے، یہاں قلعہ کے سلسلہ میں معلومات کرنا چاہی اور اس کی حقیقت دریافت کرنا چاہی کہ یہ قلعہ کب اور کس نے بنایا تھا، اندازے سے لوگوں نے مختلف باتیں بتائیں، وہاں ۳ رعمارتیں تو بہت بڑی اور بلند معلوم ہوئیں، ایک زنانہ محل، دوسرا مردانہ محل اور تیسرا بنگلہ اور ایک لمبی قطار چھوٹے چھوٹے کمروں کی شاید گھوڑوں کے لیے اصطبل خانہ ہو، وہاں کچھ لوگ کام کر رہے تھے، ان سے معلومات کی تو انہوں نے بتلایا کہ تقریباً دوسو سال پرانا محل ہے، اور اس کو راجہ بلونت سنگھ نے بنوایا تھا، اور اب اس کو دہلی کے ایک سیٹھ امن نے حکومت سے لیز پر لے کر اس کو ہوٹل بنانے کا پروگرام بنایا ہے، جس کے لیے اس تعمیر کی تکمیل اور مرمت کا کام جاری ہے، فی الحال زنانہ محل اور اس کے برابر میں نئی تعمیر اور کچھ کام بنگلہ میں ہو رہا ہے، جو گذشتہ دو سال سے چل رہا ہے، اور ابھی آئندہ ۲ ر۳ رسال صرف اسی کی تکمیل میں لگ جائیں گے، پھر مردانہ محل میں کام ہوگا۔

ڈاکٹر عیسیٰ خان انیس تجارہ والوں نے بتلایا کہ دراصل موسی و مدی دو حقیقی بہنیں تھیں، ان کو جنگل سے اغوا کیا گیا تھا، مدی کو شمس الدین نواب فیروز پور نے رکھا، اور موسی کو بختاور سنگھ راجہ الور نے رکھا، موسی کے بطن سے بختاور سنگھ کے یہاں ایک لڑکا بلونت سنگھ پیدا ہوا، ہندوؤں کے یہاں یہ قانون ہے کہ اگر پتی (شوہر) مرجائے، تو باندی کا بیٹا وارث نہیں بنتا، اس لیے شمس الدین نے موسی کو بتلایا کہ اگر تیرا شوہر مرجائے تو اس کے ساتھ ستی ہوجانا تو تیرا بیٹا وارث بن جائے گا، چنانچہ بختاور سنگھ کے انتقال کے بعد موسی ستی ہوگئی، اور اس کا بیٹا بلونت سنگھ تحصیل تجارہ کا وارث بنا، اس نے یہ قلعہ بنوایا، مختلف لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس پہاڑی پر ایک مسجد اور ایک مزار تھا، بلونت سنگھ نے ان کو شہید کر کے یہ قلعہ تعمیر کرایا، دوران تعمیر بلونت سنگھ کو خواب آیا جس میں اس کو صاحب مزار نے کہا کہ تو گائیں کو ذبح کر کے اس کا خون یہاں چھڑک دے اور اپنا محل تعمیر کرلے، مگر اس نے بیدار ہوکر خنزیر کو ذبح کر کے اس کا خون ڈالا، جس کی بنا پر وہ تباہ ہوگیا اور مرگیا، وہ پہاڑ سے گر کر مرا یا اس کو مار دیا گیا، ایک صاحب نے بتلایا کہ بلونت سنگھ کی بیوی نے کہا تھا کہ اتنا اونچا محل بناؤ کہ یہاں سے مجھے کوٹلہ کا ڈھر (جھیل) دیکھنا چاہئے، چونکہ یہ پہاڑ جس پر قلعہ ہے یہ راجستھان کی سرحد ہے، بیچ میں ایک پہاڑی سلسلہ حائل ہے، پھر ہریانہ ہے، وہاں وہ جھیل ہے، کیونکہ بیچ میں حائل پہاڑ بھی اونچا ہے، اس لیے اس سے اونچا محل بن کر ہی وہ جھیل دیکھ سکتی تھی، ایک صاحب نے بتلایا کہ اس کی بیوی نے کہا تھا کہ بنگلہ سے شاہ چوکھا کا مزار دیکھنا چاہئے، چوکھا گاؤں تحصیل پنہانئہ (ہریانہ) میں پہاڑ کی دوسری طرف پڑتا ہے، اس طرح کی باتیں سامنے آئیں، مگر صحیح کیا ہے اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔

بانی قلعہ:

البتہ ایک کتاب ''ارژنگ تجارہ''، جس کو شیخ محمد مخدوم تھانوی تحصیلدار تجارہ نے ۱۲۹۰ھ میں لکھا ہے، اس میں ہے کہ ۱۵ رصفر ۱۲۳۰ھ مطابق ۲۷ رجنوری ۱۸۱۵ء بروز جمعہ کو مہاراجہ بختاور سنگھ کا انتقال ہوا، اور اس کی مدخولہ موسی طوائف نے ستی ہوکر ساتھ دیا، جس

کے بطن سے ایک لڑکی چاند بائی اور بلونت سنگھ پیدا ہوا، چاند بائی کان سنگھ ٹھاکر تتار پور سے بیاہی گئی، بلونت سنگھ اپنے باپ بختاور سنگھ کی حکومت کے وارث رہے، مگر ٹھاکروں نے بلونت سنگھ کی مسند نشینی کو ناجائز رکھ کر بختاور سنگھ کے برادر زادہ بنے سنگھ کو راجہ مقرر کرنا چاہا، مگر مسلمان ان سے متفق نہ ہوئے، اس لیے ایسی تدبیر اختیار کی کہ ماہ سدی تیج سمت ۱۸۷۱ (۱۸۱۵ء) کو دونوں مسند نشین ہوئے، جب دونوں راجہ حد بلوغ کو پہنچے تو شیروں کی طرح غرانے لگے، مثل مشہور ہے کہ ایک نیام میں دو تلوار نہیں سما سکتیں، بقول شیخ سعدی:

دہ درویش در گلیمی بہ خسپند
و دو بادشاہ در اقلیمی نگنجند

اور نزاع کا ایک سلسلہ چلتا رہا، آخرکار ماہ شعبان ۱۲۴۱ھ مطابق مارچ ۱۸۲۶ء میں بلونت سنگھ تجارہ میں رونق افروز ہوئے...... کچھ عرصہ بعد پہاڑ پر ایک قلعہ کی تجویز ہوئی، اس پہاڑی پر ایک مسجد قلندری اور کسی بزرگ کا ایک مزار تھا، ان کو منہدم کر کے ربیع سمت ۱۸۹۲ (۱۸۳۶ء) میں قلعہ کی تیاری کا مہورت عمل میں آیا، شب و روز قلعہ کی تیاری کی تاکید تھی، اور خود راجہ بھی اکثر قلعہ کی نگرانی میں پورا دن پہاڑ پر بسر کرتا تھا، پھر پہاڑ کے نیچے شہر کی آبادی کی تجویز کی گئی، چنانچہ امراء کے مکانات بننے لگے، اسی اثناء میں بلونت سنگھ کے یہاں شہزادہ کنوار ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کی خوشی میں بلونت سنگھ پھولے نہ سماتے تھے، قضائے الٰہی کے مطابق وہ لڑکا ۱۳/ماہ کے بعد فوت ہوگیا، راجہ اور رانی کا حال غم سے ابتر ہوگیا، رانی کا گریہ رکنے کا نام نہیں لیتا تھا کہ وہ اسی غم میں ایک سال بعد مرگئی، بیوی کے غم میں بلونت سنگھ بھی بیمار ہوگئے، سال بھی نہ پکڑ پائے اور قلعہ کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے قلعہ کے بنگلہ میں بیمار ہوکر باغ میں آئے اور ۱۳/محرم ۱۲۶۱ھ مطابق ۲۲/جنوری ۱۸۴۵ء بدھ کو انتقال کیا، اس طرح قلعہ کی تعمیر کی تکمیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے پہلے اس کی زندگی کے چراغ کو ہی گل کر گیا، اور بنوانے والے کو برتنا بھی نصیب نہ ہوسکا۔

قلعہ کا محل وقوع:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے جس جگہ کا انتخاب کیا، قلعہ کی تعمیر کے لیے وہ بہت موزوں، مناسب اور قابل دید بلکہ قابل سکونت ہے، نامہ سیاہ کو تو پہاڑ کی بلندی سے نیچے زمین پر کھیتوں کی ہری بھری کیاریاں ایک خوبصورت پارک محسوس ہو رہی تھیں، اور بنگلہ کے اوپر ہوا کی آمد قابل خوردن تھی، مگر اس سب کے باوجود یہ نحوست بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ایک سوانہتر[۱۶۹] سال تک اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوئی، اب دو سال سے اس کی تکمیل و تزئین کا عمل شروع ہوا، بنگلہ تو کچھ صاف ہے، زنانہ محل میں کام جاری ہے، مردانہ محل میں تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسا کہ کسی جنگل میں آ گئے، جھاڑ جھنکار جوں کے توں ہیں، کمروں میں انسانوں کے علاوہ اللہ کی نہ معلوم کتنی مخلوق رہتی ہوگی، لینٹر کھلنے کے بعد کی مٹی چھت پر اسی طرح لگی ہوئی ہے، عجیب کیفیت محسوس ہو رہی تھی، اور اللہ کی کبریائی کا استحضار اور بلونت سنگھ کی کیا بلکہ مخلوقات کی بیچارگی کا خوب احساس ہو رہا تھا، بس "سدا نام رہے اللہ کا" اس علاقے میں ایک چیز کا اور مشاہدہ ہوا کہ جگہ جگہ گنبد نما عمارتیں بنی ہوئی تھیں، معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے رواج کے مطابق یہ ان جلنے والوں کی نشانیاں ہیں، جن کی بیویاں اپنے شوہروں کے مرنے پر ستی ہوگئی تھیں، یعنی وہ اپنے شوہروں کی چتا میں جل گئی تھیں۔

خانقاہ میاں مراد شاہ میں:

یہاں سے فراغت کے بعد چونکہ قلعہ کے سلسلہ میں صحیح معلومات کا تقاضہ تھا، اس لیے ساڑھے چار بجے مدرسہ دارالعلوم مرادیہ حسن پور معافی بارہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں حضرت میاں مراد شاہؒ کی خانقاہ کی مسجد میں عصر کی نماز ادا کی، مسجد ماشاءاللہ بہت شاندار، نیچے تہ خانہ برابر میں دونوں طرف سہ دری، بارہ دری، مہمانہ خانہ ایک اچھی خاصی عمارت ہے، تہ خانہ میں جاکر دیکھا جو خاص مسجد کے نیچے ہے، وہ غیر آباد ہے، اس میں چمگاڈیں بہت تھیں۔

اس خانقاہ و مسجد کے بانی حضرت شاہ محمد مرادؒ نقشبندی، چشتی،

قادری اور مجددی سلسلہ کے بزرگ تھے، حسن پور معافی بارہ تحصیل تجارہ ضلع الور، راجستھان میں ۱۷۶۷ء (۱۱۸۰ھ) میں قیام پذیر ہوئے، اور آپ نے اپنی عبادت اور عمل جنگل و بیاباں میں شروع کیا، ایک جگہ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ بھروچ، گجرات کے نواب تھے، پھر آپ نے فقیری و درویشی کو پسند کیا اور ساری چیزوں کو خیر باد کہتے ہوئے نکل پڑے، اور ضلع بلند شہر میں آپ نے کچھ سال قیام کیا، وہاں بھی آپ کو لوگوں نے دق کیا، جس کی وجہ سے آپ نے جنگل و بیاباں کو پسند کیا، ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ آپ کا اصل وطن سہارنپور ہے، اور آپ کا خاندان مداریہ ہے۔

بانی حسن پور:

حسن پور کے متعلق معلوم ہوا کہ شاہ عالمگیر ثانی کے دور حکومت میں (۱۷۵۳ء کے بعد) پرگنہ تجارہ کے موضع باگھور جٹ کے راجپوت باغی و غارتگر تھے، جنہوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا، شاہی دربار میں جب یہ خبر پہنچی تو ان کی سرکوبی کے لیے شاہی فوج بھیجی گئی، فوج نے متصل موضع یملی پہاڑ پر قیام کیا، اور تمام غارت گروں کا کام تمام کیا، اس مہم کے فتح کرنے کے بعد تمام شاہی لشکر تو دہلی واپس چلا گیا؛ لیکن مصاحبین میں سے تین برادران یعنی محمد حسن خان، محمد حسین خان و محمد اسماعیل خان نے اپنے اپنے ناموں سے وہاں تین مواضعات آباد کئے۔

میاں مراد شاہ:

محمد حسن خان جن کے نام سے موضع حسن پور آباد ہے، ان کے بڑے فرزند کا نام محمد مراد خان ہے، جو حسن پور گاؤں کے مالک اور زمیندار تھے، میاں مراد شاہ صاحب گاؤں حسن پور کے قریب موضع مالیر جٹ میں ''شاہ انور علی مداری'' نام کے ایک مجذوب تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے بیعت ہو گئے، اور دنیاداری چھوڑ کر مدت دراز تک اپنے مرشد کی خدمت میں مقیم و حاضر رہے، اپنے مرشد کے وصال کے بعد اپنے گاؤں میں آ کر مقیم ہو گئے اور لب سڑک ایک کٹیا میں مشغول عبادت ہو گئے، آپ کی کرامات اور آپ کے ولی کامل ہونے کے چرچے زبان زد عام ہوئے، تو عالمگیر ثانی نے تین گاؤں کے جملہ حقوق داخلی و خارجی کے وقف کئے، اور الور ریاست سے تین سو روپئے سالانہ وظیفہ مقرر کیا، نیز ہزاروں بیگہ زمین جابجا مواضعات میں معافی کی عنایت کی۔

مراد شاہ کی کرامت:

بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۷۶۸ء (۱۱۸۱ھ) میں بھرت پور کے راجہ جواہر سنگھ (بعض نے لکھا ہے کہ سورج مل) کا لشکر ہاتھیوں کے ساتھ گزر رہا تھا، انہوں نے آپ کو ہٹ جانے کا اشارہ کیا، آپ پر جلال الٰہی کا غلبہ تھا، اس لیے ایک نہ سنی اور اپنی عبادت میں مشغول رہے، راجہ نے فیل بان کو کہا کہ ہاتھی ہانک دئے جائیں اور ان کو مار دیا جائے، مگر کوشش کے باوجود ہاتھی آگے نہ بڑھ سکے، اس کی اطلاع راجہ کو دی گئی، وہ خود حاضر ہوا، تو مشاہدہ کے بعد حیران رہ گیا، اور ہودج سے اتر کر ننگے پاؤں چل کر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تقصیر کی معافی چاہی، شاہ صاحب نے ان کو معاف کر دیا، پھر راجہ نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پانچ اشرفیاں بھیجیں، حضرت شاہ صاحب نے وہ آگ میں ڈلوادیں، جب دوبارہ مہاراجہ نے شب گزاری کے بعد اپنا قاصد بھیجا کہ دیکھو اشرفیوں کا کیا ہوا، شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم ہمارا امتحان لیتے ہو، جاؤ اپنی اشرفیاں لے لو، انہوں نے دھونے میں دیکھا کہ بہت ساری اشرفیاں پڑی ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اپنی داہنی جانب دیکھو قاصد نے دیکھا تو سونے کا پہاڑ نظر آیا، پھر فرمایا کہ بائیں جانب دیکھو تو دوسرا پہاڑ چاندی کا نظر آیا، وہ حیران ہو کر واپس ہوا، اور راجہ کو تمام سرگزشت سنائی، جسے سن کر مہاراجہ بھی ششدر رہ گیا، مہاراجہ کے یہاں اولاد نہ ہوتی تھی، اس نے آپ کی کرامت کا نظارہ کیا اور خطا کی معافی چاہی، اور حضرت شاہ صاحب سے اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے اس کو دو پڑیا راکھ کی عنایت کی، اور ہدایت کی کہ ابھی صرف ایک پڑیا استعمال کریں، حکم خدا

سے تمہارے یہاں اولاد ہوجائے، توجب بچہ کھانے پینے لگے تو دوسری پڑیا کوبھی استعمال کرلینا، اس طرح اس راجہ کی رانی سے دو لڑکے یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔

شاہی عطیہ:

جن کی خوشی میں راجہ نے شاہی خزانے سے حضرت شاہ صاحب کے لیے، ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرانے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ حضرت مراد شاہ کی یہ مسجد اور خانقاہ پانچ بیگہ آراضی پر تعمیر ہوئی اور پانچ سو بیگہ زمین آپ کے لیے تجویز کی، ۱۹۵اھ مطابق ۱۷۸۱ء میں میاں مراد شاہ نے وفات پائی، اس طرح ان کے انتقال کو ۲۳۷رسال کا عرصہ گزر گیا اور یہ درگاہ ڈھائی سو سال کی پرانی عمارت قلعہ کی شکل میں آج بھی اچھی حالت میں موجود ہے، یہ خانقاہ قصبہ تجارہ کے جنوب مشرق میں فیروز پور جھرکہ جانے والی شاہ راہ پر لب سڑک واقع ہے، یہاں پہلے رجب کی ۱۱/۱۲رتاریخ کو سالانہ عرس ہوا کرتا تھا، تقسیم ہند کے بعد حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کی کوششوں سے اس کو بدعتی حضرات سے خالی کرایا گیا، تو عقیدت مند بدستور حاضری دینے لگے۔

مدرسہ دارالعلوم مرادیہ:

لیکن عوام وخواص میں شرعی شعور بیدار ہونے پر (عرس کی رسومات کو برقرار رکھتے ہوئے) ۱۹۸۶ء میں مولانا محمد داؤد مفتاحی نے مدرسہ قائم فرمایا، جہاں اب تمام بدعات ختم ہوگئیں، اور یہ مدرسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شاخ بن گیا، جس میں عربی سوم کی تعلیم کے ساتھ حفظ وناظرہ قرآن کریم کی تعلیم ہورہی ہے، جس میں ۲۵۰رطلبہ تعلیم حاصل کررہے ہیں، جن میں سے ۹۵رمقیم رہتے ہیں، ۶راساتذہ کی تعلیمی خدمات حاصل ہیں، یہ تمام معلومات مولانا داؤد صاحب سے حاصل ہوئیں، اس کے بعد انہوں نے چائے وغیرہ کا نظم کیا، یہاں پر ایک سوتین سال کی عمر کے ایک آدمی حاجی عبدالرحمٰن صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، جو ماشاء اللہ اچھے خاصے چلتے پھرتے ہیں، اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک معلوم ہوتے ہیں، انہوں نے خود بتلایا کہ میں ۱۹۴۷ء میں ۳۸رسال کا تھا، مدرسہ میں حصول زر کے سلسلہ میں خدمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سلامت باکرامت رکھے، مولانا داؤد صاحب نے بیتجارہ کے سلسلہ میں کتاب ''ارژنگ تجارہ'' کسی سے حاصل کرکے عاریۃً دی، کسی نے اس کی فوٹو کاپی کراکے مجلد کرا رکھی ہے، بلونت سنگھ کے قلعہ کے سلسلہ میں معلومات اسی کتاب سے اخذ کی گئی ہے، حضرت شاہ صاحب کے مزار پر ایصال ثواب کیا گیا، ان کا مزار مسجد کے صحن میں ہی واقع ہے، جس پر پختہ عمارت بنی ہوئی ہے، خانقاہ کے ایک کمرہ میں اس زمانہ کا نقارہ بھی دیکھا، جس کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دی جاتی تھی، مغرب کی اذان کا وقت ہورہا تھا، اس لیے وہاں سے جلدی سے نکلے کہ راستہ میں کہیں نماز پڑھ لیں گے۔

خانقاہ بابا مستان شاہ ناہر کھول میں:

اثنائے راہ ہمارے پروگرام کے ذمہ دار جناب مولانا مفتی ظہور الدین صاحب قاسمی نے اندھیری رات میں بظاہر ایک غیر مانوس جگہ پر سڑک سے الگ تھلگ، پہاڑوں کے درمیان ایک کنارے پر، گاڑی رکوائی، پھر ایک زینے کے ذریعہ سے بہت اونچائی پر چڑھے، چڑھتے ہوئے راقم کی حالت الگ ہورہی تھی، اس لیے برجستہ مفتی صاحب سے عرض کیا کہ یہاں زیادہ ثواب ملے گا؟ کہاں آپ لے جارہے ہیں؟ اتنے میں اوپر پہاڑی کے درمیان سامنے ایک چھوٹی سی مسجد اس سے ملا ہوا ایک کمرہ، اور چند چھوٹے چھوٹے بچے نظر آئے، روشنی ہورہی تھی، میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، خیر وضو وغیرہ سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ ساتھی مسجد کے سامنے نیچے کھول میں ہیں، مجھے بھی اشارہ کیا گیا، مجھے عجیب سا لگا، لیکن نیچے گیا، تو معلوم ہوا کہ سامنے جھیل میں ایک بڑے چوڑے پتھر پر ایک بزرگ بابا مستان صاحب ذکر وعبادت کیا کرتے تھے، اتنے میں مفتی ظہور صاحب کے بیٹے مولوی محمد یوسف ندوی نے ایک غار میں داخل ہونے کا اشارہ کیا اور بتلایا کہ یہاں اندر داخل ہوجایئے بڑی سکون کی جگہ ہے، چنانچہ راقم ایک کھڑکی کے ذریعہ اندر داخل ہوا، اور ایک چبوترے پر بیٹھا تو بہت سکون محسوس

ہوا، پھر چبوترے سے نیچے اتر کر ایک جگہ ہے، وہاں مصلّی بچھا ہوا تھا، وہاں صرف آدمی بیٹھ سکتا ہے، کھڑا نہیں ہوسکتا، نیچے اترا اور مصلے پر بیٹھ گیا اور روشنی بند کردی گئی، تو ایک دم انتہائی قلبی سکون محسوس ہوا، وہاں اندھیرے میں کوئی گھبراہٹ، ڈر اور خوف محسوس نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ بابا مستان صاحب اوپر چبوترے پر نوافل پڑھتے تھے اور نیچے اتر کر ذکر واذکار اور عبادت کرتے اور مراقب ہوکر چلہ کشی کرتے تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں جس جگہ ذکر کثرت سے ہوا ہے، وہ جگہ اب بھی صدیاں گزر جانے کے باوجود انتہائی پرسکون ہوتی ہے؛ کیونکہ مغرب کی نماز پڑھنی تھی، اس لیے اوپر مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا کی، نماز بعد پھر اس جگہ کی تحقیق کرنا چاہی، چونکہ اس جگہ سے انس ہوگیا، نورانیت محسوس ہورہی تھی، اس لیے وہاں موجود قاری صاحب سے معلومات حاصل کرنا چاہی، توانہوں نے کچھ باتیں بتلائیں، پھر کہا زیادہ صحیح باتیں جو ذمہ دار ہیں وہ بتلا سکتے ہیں، وہ مولانا محمد ہاشم قاسمی ہیں۔

بابا مستان شاہ:

انہوں نے بتلایا کہ یہ بابا مستان شاہ کی خانقاہ ہے، اور اس جگہ کا نام ناہر کھول ہے اور یہ تجارہ روڈ فیروز پور جھرکہ ضلع میوات ہریانہ میں ہے، مولانا محمد ہاشم نے بتلایا کہ نواب شمس الدین کے والد فیروز خان کے زمانہ میں بابا مستان حضرت معین الدین چشتی کے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے، جنھوں نے اس جگہ پر ۱۲/سال عبادت کی، اور یہاں گولر کھا کر اور جھیل کا پانی پی کر گزربسر کی، ان کا انتقال فیروز پور جھرکا میں ہوا، وہیں وہ مدفون ہیں۔

حضرت گلزار شاہ:

اس کے بعد ایک دوسرے بزرگ حضرت گلزار شاہ نے یہاں مستقل ۳۳/سال عبادت کی، گلزار شاہ صاحب کے دور میں اس جگہ پر ۶۰/دکانیں لگتی تھیں، لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا، موجودہ مسجد کے سامنے جو جھرکہ (آبشار) ہے، گلزار شاہ صاحب جمعرات کے دن اس کے پانی کو پڑھ کر لوگوں کو دیتے تھے، تو لوگوں کو امراض سے بحکم الٰہی شفا ملتی تھی، وہ اپنے پاس ۶/۷/گائیں رکھتے تھے، ان کے دودھ کی کھیر پکا کر لوگوں کو کھلاتے تھے، خود گولر کھاتے تھے، جس کا درخت اب بھی ہرا بھرا موجود ہے، وہ رات کو اپنے پاس کسی کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، ایک روز ایک معتقد آیا اور اس نے ٹھہرنے پر اصرار کیا، مگر حضرت گلزار شاہ صاحب نے اس کو قطعاً منع کیا، مگر وہ ہر چند سمجھانے کے باوجود ٹھہرنے کے لیے مصر رہا، چنانچہ اس شرط پر اجازت ملی کہ ہمارا راز فاش نہ کرنا، اگر راز فاش کیا تو معافی کی بھی مہلت نہ ملے گی، آخر کار وہ ٹھہر گیا، رات میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ۱۲ گھوڑے آئے جن میں سے ۱۱/پر سوار موجود تھے، بارہویں گھوڑے پر گلزار شاہ صاحب سوار ہوگئے، اور اس ٹھکانے سے کچھ دور آگے گئے، اور ایک بڑی چٹان (پتھر) پر بیٹھ کر سبھوں نے مشورہ کیا، کچھ دیر بعد شاہ صاحب اپنے ٹھکانے پر واپس آگئے، اس مقیم مہمان نے یہ ماجرا دیکھ کر صبح بازار میں اس راز کو فاش کردیا، چنانچہ اسی وقت اس کے پیٹ میں درد ہوا، اور وہ انتقال کرگیا، اسی زمانہ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ اس علاقہ کی ایک ہندو کی لڑکی جو بیوہ ہوچکی تھی، تو وہ میاں شاہ صاحب کی معتقد ہوگئی اور یہاں آنے لگی، اس طرح اس نے اسلام قبول کرلیا، جب لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے لڑکی کو مارا پیٹا، پھر اس کو ساتھ لیکر شاہ صاحب کے پاس آئے، اور شاہ صاحب پر الزام لگا کر ان کو مارنا چاہا، شاہ صاحب نے ان کو سمجھایا مگر وہ نہ مانے، تو شاہ صاحب نے لڑکی کو اشارہ کیا کہ تو ایک طرف ہوجا، اور ان لوگوں کے سامنے اپنا ستر کھول دیا، انہوں نے دیکھا کہ یہ تو عورت کے لائق ہی نہیں، ان واقعات کی بنا پر گلزار شاہ صاحب یہ جگہ ترک کرکے دوسری جگہ کہیں ہجرت کرگئے۔

مولانا ہاشم نے بتایا کہ اس کے بعد فیروز پور جھرکہ کی جامع مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار مولانا حسن خان صاحب ہر روز رات کو دودھ کی گھاٹی سے ہوتے ہوئے ناہر کھول خانقاہ پہنچتے تھے، وہ کبھی بازار نہیں

گئے تھے، یعنی انتہائی متقی تھے، رات کو جنات کے بچوں کو بھی تعلیم دیتے تھے، ذکر وعبادت کرتے اور تہجد پڑھتے تھے، ان کی وفات کے بعد یہ جگہ ویران رہی۔

مسجد کی نئی تعمیر:

۱۹۸۲ء سے ڈاکٹر بشیر صاحب نگینہ میوات والوں نے اس جگہ کی طرف توجہ کی، اور یہاں آمدورفت شروع کی، اور چھوٹی سی مسجد کے پرانے جو آثار کھنڈرات کی شکل میں تھے، انہیں آثار پر ۱۹۹۴ء میں ایک مسجد تعمیر کرائی، برابر میں چھوٹا سا کمرہ بنوایا، اس کے پیچھے ایک رسوئی بنوائی، تاکہ یہ جگہ آباد رہے، ابھی ۱۴؍ اکتوبر ۲۰۱۰ء میں مدرسہ الجامعۃ الاسلامیہ نورالاسلام درخانقاہ بابا مستان شاہ صاجب قائم کیا، جس میں اس وقت چھوٹے چھوٹے ۱۰؍ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے ایک استاذ ہیں، اور مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی ایک نوجوان عالم اس کے ذمہ دار ہیں، یہ جگہ روحانی طور پر تو پررونق تھی ہی، اب ماشاءاللہ ظاہری طور پر بھی پررونق ہوگئی، یہاں بہت طبیعت خوش ہوئی، قلبی سکون ملا، اور عشاء کی نماز بھی وہیں ادا کی۔

مدرسہ دارالعلوم مہتابیہ نگینہ میں:

اس کے بعد یہاں سے چلے، فیروز پور جھرکہ میں مفتی ظہور صاحب کے ایک اہل تعلق محمد طاہر صاحب سے ملتے ہوئے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالعلوم مہتابیہ نگینہ نوح میوات پہنچے، مدرسہ ابھی مسجد کے تہہ خانہ میں چل رہا ہے، جو بہت شاندار، پختہ عمارت اور سلیقے سے تعمیر شدہ ہے، تہہ خانہ کے اوپر بھی پلروں پر عمارت تیار ہوکر سلیپ ڈالدیا گیا ہے، دیواریں باقی ہیں، تقریباً ۱۵۰؍ طلبہ زیر تعلیم ہیں، ۱۰؍ اساتذہ ہیں، حفظ وناظرہ کے ساتھ عربی اول تک کی تعلیم کا نظم ہے، یہ مدرسہ میوات کے مشہور صاحب کرامات بزرگ جناب الحاج میانجی مہتاب صاحب کی یادگار میں ۲۰۰۳ء میں قائم ہوا، حاجی صاحب کی وفات ۲۰۰۲ء میں ۷۵؍ سال کی عمر میں ہوئی، ان کی خدمات کی وجہ سے علاقہ میوات میں کافی دینی بیداری اور تعلیمی شوق پیدا ہوا، حاجی صاحب حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے خلیفہ تھے، یہ مدرسہ انہیں کی وقف کی ہوئی ۲؍ ایکڑ زمین پر واقع ہے، جس میں ایک اچھا مہمانہ خانہ بھی ہے، وہیں مدرسہ کے احاطے میں ان کا مزار بھی ہے، ان کے مزار پر ایصال ثواب بھی کیا، مدرسہ کے بانی وذمہ دار حاجی صاحب کے لڑکے جناب الحاج محمد خالد صاحب ہیں، مدرسہ دیکھنے کے بعد مفتی صاحب اور حاجی خالد صاحب کے ایک شناسا شمس الدین بن سلیمان (عرف شمسوسکریٹری) کا انتقال ہوگیا تھا، ان کی تعزیت کے لیے قریب کے ایک گاؤں مول تھال میں پہنچے، وہاں کافی لوگ مرحوم کے مکان کے سامنے الاؤ جلاکر بیٹھے ہوئے سیک رہے تھے، وہ سب ملاقات کے لیے کھڑے ہوگئے، ان کے درمیان بیٹھ کر اولاً پسماندگان کو تعزیت مسنونہ پیش کی گئی، پھر راقم نے مفتی صاحب کے کہنے پر تھوڑی دیر ''اذکروا محاسن موتاکم'' کی روشنی میں نصیحتیں کی اور مرحوم کے ضعیف والد سے ملکر واپس نگینہ آکر مدرسہ مہتابیہ میں کھانا کھایا، کھانے کے بعد دہلی کے لیے رخصت ہوئے، نگینہ میں داخل ہوتے وقت بھی اور نکلتے وقت بھی ڈاکٹر بشیر صاحب سے ملاقات کرنا چاہتے تھے مگر وہ کہیں گئے ہوئے تھے، مکان پر موجود نہ تھے، اس لیے ملاقات نہ ہوسکی، اس طرح سفر کرتے ہوئے رات میں ۲؍ بجے سرائے روہیلہ مفتی صاحب کے مدرسہ میں پہنچ کر آرام کیا اور ۹؍ مارچ کو ۲؍ بجے دن میں کار سے چل کر اپنے وطن بخیر وعافیت پہنچے۔ ''فالحمدللّٰہ علی کل حال''۔

❁❁❁❁❁

جواھرپارے

رخصت کرنے کے بعد اپنے مہمان کی شکایت نہ کر
کبھی بھی اپنے ماں باپ اور استاذ کی شکایت نہ کر
بیوی کے سامنے اس کے میکے والوں کی شکایت نہ کر
اولاد کے سامنے اپنے بڑوں کی شکایت نہ کر

جائزہ

عربی زبان کی شان کبریائی اور ہماری بے اعتنائی

مولانا محمد زاہد مظاہری، مدرسہ رحمۃ للعالمین، ترفوہ، سہارنپور

عربی زبان ایک ایسی رفیع الدرجات عالیشان زبان ہے کہ جس کی ہمسری کوئی زبان نہیں کرسکتی، اس امت کے لیے جہاں یہ فخر کی بات ہے کہ اسے سب سے افضل رسول ملا، اور قرآن کریم جیسی کتاب اس کے حصہ میں آئی، شریعتوں میں سب سے افضل شریعت سے نوازا اور امتوں میں سے بہترین امت ہونے کا شرف پایا، وہیں یہ بھی انتہائی فخر کی بات ہے کہ اس امت کے پیغام کے لیے منجانب اللہ وہ زبان منتخب ہوئی جس کو "اول الالسنہ" اور "خیر الالسنہ" ہونے کا شرف حاصل ہے؛ کیونکہ آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی ہی تھی، زمین پر اترنے کے بعد اور توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی سے کچھ تبدیلی ہوکر سریانی بن گئی تھی، ادھر ہر آسمانی کتاب منجانب اللہ عربی زبان میں دی گئی، پھر جبرئیل امین علیہ السلام نے قومی زبان میں ترجمہ کر کے پیغمبروں کو بتلایا اور انہوں نے قومی زبان میں امتوں کو پہنچایا اور عربی زبان دین کی سرکاری زبان ہے، تمام فرشتوں کی زبان بھی عربی ہے، لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ سب عربی میں ہے، اور جنت میں سب انسانوں کا اصلی وطن ہے اور وہاں لوٹ کر جانا ہے وہاں کی زبان بھی عربی ہی رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے محبت کا حکم فرمایا اور وجہ یہ بتائی "لانی عربی، والقرآن عربی، ولسان اھل الجنة عربی" یعنی عربی وہ زبان بولتے ہیں، جو میری اور قرآن اور اہل جنت کی زبان ہے، اس لیے ان سے محبت کرو۔

نیز عربی زبان جاننے والا گو اور بھی زبان جانتا ہو مگر آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص عربی جانتا ہو تو اس کو عربی ہی میں بولنا چاہئے کیونکہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے۔

کیونکہ کلام اور گفتگو میں متکلم کے اثرات ضرور غیر شعوری طریقے پر چھپے ہوتے ہیں، اسی لیے حضرت شیخ زکریا نے فضائل قرآن مجید میں لکھا ہے کہ گو فارسی اور انگریزی زبان ہونے میں برابر ہیں مگر تاثیر الگ الگ ہے، پھر قرآن کریم کی خصوصیت جو اور کتب سماویہ کے اندر نہیں ہے یہ ہے کہ اس کے الفاظ بھی معانی کی طرح خود حق تعالی شانہ کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ بھی اس زبان کا متکلم ہے، اس زبان کے بولنے پر جہاں اللہ ورسول اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، صحیفوں اور جنت واہل جنت سے مشابہت کی سعادت ہاتھ آئے گی، وہیں اس کے تکلم سے نفاق سے برأت کے ساتھ طبیعت پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

ایک فاضل نے قرآن کے کلام اللہ ہونے اور اب بھی اپنی اصل شکل میں محفوظ ہونے کی ایک عجیب وجدانی اور محسوس دلیل پیش کی ہے کہ ان کا ہر زمانہ میں کمسن بچوں کو بہت کم وقت میں حفظ ہو جانا اور اس کے پڑھنے میں جو لطف وحلاوت ہے اس کا جوں کا توں برقرار رہنا صاف دلیل ہے کہ یہ وہی کلام ہے جو اللہ نے ہو بہو اتارا تھا اور اس کے جو اوصاف اللہ نے بتائے ہیں کہ جلد یاد ہو جاتا ہے، اس کو سنکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور بار بار پڑھنے سے اور مزہ بڑھتا جاتا ہے، اس کے یہ اوصاف ہر زمانہ میں برقرار ہیں، جس دن نعوذ باللہ اصلی والا قرآن نہ رہے گا، تو نہ یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جلد یاد ہوا کرے گا

اور نہ اس کی تلاوت میں وہ لذت رہے گی، یہ سب اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور وہ اپنے کلام میں جو چاہے تاثیر رکھ دے۔

بہر حال قطع نظر عربی زبان کے دنیوی فوائد سے کہ وہ بھی کم نہیں کیونکہ فی الحال مکمل بیس ملکوں میں یہ سرکاری اور مادری زبان ہے، ایک مسلمان کے لیے اس سے وابستگی اور دلچسپی بلکہ شیفتگی کا باعث اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے، یہ اس کے دین و مذہب کی زبان ہے جس کے نتیجہ میں ہر صاحب ایمان کو اس کے سیکھنے سکھانے میں ہر ممکن جدوجہد اور سعی کرنا ایک فطری اور عقلی مقتضیٰ ہے۔

آج کا ایک طبقہ محض اس ظنی اور موہوم سوچ پر انگریزی زبان پر مرمٹ رہا ہے، اور اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا رہا ہے کہ اس سے وقتی منفعت اور عزت وشہرت حاصل ہوگی جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ "إن الدنیا اکبر ھمنا" کہ دنیا ہمارا مقصود اعظم ہے۔

حالانکہ دین کا منبع اور سرچشمہ خواہ وہ قرآن وحدیث ہو یا فقہ، سب عربی میں ہے، ہمارا اللہ ہمیں قرآن میں کہاں کس پیارے سے خطاب کرتا ہے اور اس کا رسول اپنی اس امت کے لیے کس کس انداز سے کیا کیا پیچ وتاب کھاتا ہے، مؤذن اذان کہے، مکبر تکبیر پڑھے، ہم نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھیں یا کہیں سے تلاوت کریں یا دعاؤں میں کسی دعاؤں کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کریں، ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا سن رہے ہیں، کیا کہہ رہیں، کیا مانگ رہے ہیں۔

قبر اور آخرت کی زبان بھی عربی ھے :

ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے، وہ لوگ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا ذرا دیکھو یہ کیا بھونک رہی ہے، مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان میں یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے "اِن ھذین الرجلین یقولان لی ادخلی الجنة" یعنی اس بڑھیا کو دو آدمی فرشتوں کی شکل میں نظر آ کر یہ بشارت دے رہے تھے کہ اری بڑھیا تو جنت میں چل۔

اس پر حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ قبر میں پہنچتے ہی سرکاری زبان یعنی عربی کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اس سے قبر میں عربی میں ہی سوال ہوتے ہیں" من ربك مادينك من نبيك"، لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے قبر سے پہلے بھی اسی زبان میں خطاب کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا اللہ اور اس کے فرشتے اور کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو یہ زبان محبوب ہے، اسی لیے قرآن میں قرآن کو خاص عربی زبان میں دئے جانے کا بار بار ذکر ہے۔

عربی زبان کی فضیلت واھمیت پر ایک عرب شخصیت یوں روشنی ڈالتی ھے:

فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت رکھتا ہے، اور جو رسول عربی سے محبت رکھتا ہے اہل عرب سے محبت رکھتا ہے اور جو اہل عرب سے محبت رکھتا ہے وہ اس عربی سے بھی محبت رکھتا ہے جس میں سب سے افضل کتاب (قرآن) عرب وعجم میں سب سے افضل پر اتری ہے اور جو عربی سے محبت رکھتا ہے تو وہ اس کا اہتمام کرے گا اور اس کے سیکھنے سکھانے پڑ ڈٹے اور جمے گا اور اس میں اپنی کوشش لگائے گا، آگے فرماتے ہیں: "کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا ہے اور ایمان کے لیے اس کا سینہ کھولدیا ہے اور اس میں اس کی طبیعت کو پاکیزہ بنایا ہے تو اس کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے بہتر رسول اور اسلام مذہبوں میں سب سے بہتر مذہب اور اہل عرب امتوں میں سب سے بہتر امت اور عربی زبان زبانوں میں سب سے بہتر زبان ہے اور عربی زبان کا سیکھنا عین مذہب ہے کیونکہ یہ علم اور دینی سمجھ کا سب سے بڑا واسطہ اور دنیا وآخرت کی درستگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ (القاموس الوحید)

عربی زبان کا دیگر زبانوں پر ایک عظیم احسان اور یہ کہ علم صرف وعلم نحو ھر زبان میں ھوتاھے:

دنیا میں جتنی زبانیں ہیں گو وہ خود تو مختلف ہیں لیکن ان کا مدلول اور مصداق یعنی جو ان سے مراد لیا جاتا ہے وہ سب جگہ پوری دنیا میں ایک

ہی ہے، پانی ہو، روٹی ہو، چاول ہو یا ٹوپی، آسمان، زمین، بادل، بارش، چاہے کھانے پہننے یا پڑھنے لکھنے سے متعلق یا اس کے علاوہ سے متعلق تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہی ایک طرح کی چیزیں ملیں گی، البتہ نام اور لفظ جو ان پر بولے جاتے ہیں، وہ سب زبانوں میں الگ الگ ہیں، ہم پانی کہتے ہیں، اہل عرب ''ماءُ'' اور اہل فارس ''آب'' انگریزی والے ''واٹر'' یہ تو اسماء کی بات ہے، افعال کا بھی یہی حال ہے کہ سب دنیا کے افعال یکساں ہیں، چلنا، بیٹھنا، سونا، کھانا، پینا، لکھنا، ہنسنا، رونا، غصہ ہونا، مارنا، سب جگہ کے آدمیوں کے یہی افعال اور کام ہیں، مگر تعبیر اور ان کاموں کے لیے الفاظ زبانوں کے اعتبار سے بدل گئے ہیں، ہم ''بیٹھنا'' کہتے ہیں، فارسی والے ''نشستن'' اور عرب والے ''الجلوس'' کہتے ہیں، اسی طرح ہم اِسؔ کہتے ہیں اور عرب والے ایںؔ، عربی والے ہذاؔ کہتے ہیں، انگریزی والے دِسؔ کہتے ہیں، اور یہی حال حروف کا بھی ہے کہ ہم میںؔ کہتے ہیں اور اہل عرب فیؔ، اہل فارسی درؔ او رانگریزی والے اِنؔ کہتے ہیں اور مطلب سب کا ایک ہے، تو خلاصہ یہ ہے کہ ''معبرعنہ'' سب زبانوں کا ایک ہے، گو تعبیر اور عبارت بدل گئی ہے، کما یقول شاعر

عباراتنا شتی و حسنك واحد
و كل الی ذاك الجمال يشير

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں کسی واحد اور غائب آدمی کا کام بتانا ہو تو کہیں گے ''اس نے لکھ لیا''، جمع غائب کا بتانا ہو تو ''انہوں نے لکھ لیا'' اور واحد حاضر کا بتانا ہو ''تو نے لکھ لیا'' جمع حاضر کے لیے ''تم نے لکھ لیا'' واحد متکلم کے لیے ''میں نے لکھ لیا'' اور جمع متکلم کے لیے ''ہم نے لکھ لیا'' کہتے ہیں، پھر انہی صیغوں میں اگر ''ہے'' بڑھا دی تو ماضی کے صیغے بن جائیں گے اور ''تھا'' بڑھا دو تو ماضی بعید کے صیغے بن جائیں گے اور ''تا، تھا'' کا اضافہ کر دو تو ماضی استمراری اور ''ہوگا'' لگا دو تو ماضی احتمالی ہو جائے گی ''کیا اچھا ہوتا'' لگا دو تو ماضی تمنائی کے صیغے بن جاتے ہیں۔

اور اگر زمانہ حال میں وہ کام بتانا ہو، تو وہ لکھ رہا ہے، وہ لکھ رہے ہیں، مستقبل اور آئندہ زمانے میں بتانا ہو، وہ لکھے گا ''میں لکھوں گا''، ہم لکھیں گے'' پھر اگر ان جملوں میں تاکید پیدا کرنی ہو، ہرگز یا بالکل لگا دیں گے، اور اگر حکم امر کی شکل میں بدلنا ہو تو کہیں گے، آپ لکھئے ''آپ جائیے''، تم چلے جاؤ، نہی کے صیغوں میں بدلنا ہو تو کہیں گے ''تم مت لکھو'' آپ مت کھیلو، وہاں نہ جائیے، اور امر و نہی میں تاکید لانی ہو تو بالکل یا ہرگز ساتھ میں لگا دیتے ہیں، ایسے بھی اسم فاعل کے صیغے بنانے ہوں تو ''والا، والے'' لگ کر بن جائیں گے، مثلاً وہ لکھنے والا ہے، وہ پڑھنے والا ہے، اسم مفعول کے صیغے بنانے ہوں تو ''ہوا'' آخر میں لگ کر بنایا جائیں گے، جیسے پڑھا ہوا مضمون، لکھی ہوئی تحریر، اسم ظرف بنانا ہو تو جگہ اور وقت کا لفظ بڑھا کر کہیں گے، پڑھنے کی جگہ، لکھنے کی جگہ، پڑھنے کا وقت، پڑھنے کی جگہ، اسم تفضیل بنانا ہو تو زیادہ کے ساتھ تقابل دکھا دو جیسے عمر بکر سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔

غرضیکہ ''لکھنا'' ایک مصدر ہے جس سے ہر زبان میں جو بھی اس کے مقابل لفظ ہے، اردو کی طرح کبھی ماضیاں اور ان کے صیغے تو کبھی مضارع، کبھی امر، کبھی نہی، کبھی اسم فاعل و مفعول وغیرہ وغیرہ بنتے چلے جاویں گے، پھر فعل ماضی میں کوئی صیغہ غائب کا، کوئی حاضر کا، کوئی متکلم کا، پھر ان میں بھی کوئی واحد کے لیے، کوئی تثنیہ کے لیے، تو کوئی جمع کے لیے، پھر مرد کے لیے، کوئی عورت کے لیے، بات یہ ہے کہ علم صرف ہر زبان میں پایا جاتا ہے، کوئی بھی زبان اس سے خالی نہیں اور علم صرف کا نام علم صرف اسی لیے رکھا گیا کہ ہر زبان کے مصدر سے مختلف فعلوں اور صیغوں پر پھرنا اور آنا سکھا دیتا ہے کہ ماضی میں کوئی بات کہنی ہو تو اس طرح کہنا، حال مستقبل میں کہنی ہو تو اس طرح، واحد کے لیے کہنی ہو تو اس طرح، تثنیہ جمع کے لیے کہنی ہو تو اس طرح، مرد کے لیے اس طرح اور عورت کے لیے صیغہ اس طرح لانا ہے، فارسی ہی میں ''رفتن'' مصدر کو لے لیجئے کہ اس سے خالی چھ ماضیوں کے چھ چھ صیغوں کے اعتبار سے چھتیس صیغے بنتے ہیں۔

اب رہا علم نحو وہ بھی ہر زبان میں پایا جاتا ہے، چنانچہ کوئی زبان لے لو، سب میں گفتگو کا طریق ایک ہے، بولنے میں کبھی تو تنہا تنہا ایک ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے جیسے کتاب، قلم، ٹوپی، چادر، جوتا، مکان، مدرسہ اور کبھی دو دو بول ملا کر گفتگو کرتے ہیں، مثلاً خالد کی کتاب، میرا قلم، بھائی کی چادر، نیا مدرسہ، قیمتی قلم، تنہا ایک ہی لفظ اگر بولیں تو اسے ''مفرد'' کہتے ہیں اور دو دو یا زیادہ جوڑ کر بولیں تو اسے ''مرکب'' کہتے ہیں، پھر جوڑ کر اور مرکب شکل میں جو کلمات بولے جاتے ہیں کبھی اس سے مفید اور پوری گفتگو بنتی ہے، اور کبھی ناقص اور ادھوری، اگر ادھوری بنتی ہے تو اسے مرکب ناقص کہتے ہیں، جس کی پھر دو قسمیں ہو جاتی ہیں اضافی اور توصیفی، اگر دو کلموں کا جوڑ مضاف مضاف الیہ کی شکل میں ہے کہ کسی چیز کو کسی سے جوڑنا یا اس کی کمی بتائی گئی ہے، جیسے اوپر خالد کی کتاب میں تو یہ مرکب اضافی ہوتا ہے، اور اگر دو کلموں کا جوڑ موصوف صفت کی شکل میں ہے یعنی اچھا یا برا بتانے کے لیے دو چیزوں کو آپس میں جوڑا ہے تو جس کو اچھا یا برا بتاویں وہ موصوف ہے اور جس لفظ سے بتائیں وہ صفت ہے جیسے ''پرانا قلم''، میں قلم موصوف ''پرانا'' صفت ہے۔

اور اگر دو کلموں کا جوڑنا اس طرح سے ہو کہ ان میں سے ایک کو اصل بنا کر اس کے متعلق کوئی خبر دی گئی جیسا کہ جملہ اسمیہ میں ہوتا ہے کہ شروع میں ایک چیز ذکر کر کے پھر اس سے متعلق کچھ کہا جاتا ہے یا خبر دیجاتی ہے مثلاً زید حافظ ہے یا خالد مولوی ہے، اس میں زید اور خالد مبتدا ہیں اور حافظ اور مولوی ہونا ان کے متعلق خبر ہے، اور اگر کسی سے جو کام جوڑا ہے، یا اس کا کرنے والا اسے بتلایا ہے، جیسے زید سو گیا، زید نے لکھ لیا، تو جس سے وہ کام جڑا وہ فاعل کہلاتا ہے اور خود وہ کام جو اس سے جوڑا گیا ہے وہ فعل کہلاتا ہے اور اس قسم کے جملہ کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ مرکب اضافی اور توصیفی میں جوڑ ناقص ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے دونوں جزؤں سمیت صرف اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ یہ کسی سے جڑ جائیں یعنی مسند بن جائیں یا ان سے کوئی چیز جوڑ دی جائے، یعنی یہ مسند الیہ بن جائیں۔

تنہا مرکب اضافی یا تنہا مرکب توصیفی یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ مسند بھی بن جائیں اور مسند الیہ بھی، اس لیے اگر انہیں مسند بنائیں گے تو مسند الیہ کی ضرورت رہے گی، اور مسند الیہ بنائیں گے تو مسند کی حاجت رہے گی، اسی لیے مرکب اضافی و توصیفی گو مرکب ہیں لیکن ناقص اور ادھورے اور جملہ اسمیہ و فعلیہ مرکب تام اور مرکب مفید اور مکمل کلام کہلاتے ہیں کہ ان میں مسند اور مسند الیہ دونوں چیزیں آ جاتی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ جملہ اسمیہ میں جس سے جوڑتے ہیں یعنی مسند الیہ پہلے آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں جس کو جوڑتے ہیں یعنی مسند پہلے آتا ہے، اسی لیے جملہ فعلیہ میں فعل اور کام کا ذکر پہلے آئے گا اور جس نے وہ کام کیا اس کا ذکر بعد میں جیسے ضرب زید اور جملہ اسمیہ میں الٹا ہوتا ہے کہ جس نے کام کیا اس کا ذکر پہلے کریں گے اور کام کا ذکر بعد میں جیسے ''زید ضرب''، لیکن میں نے جہاں تک غور کیا جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ یہ عربی میں تو دو قسمیں بنتی ہیں مگر اردو زبان میں ہمیشہ شروع میں اسم ہی کو لاتے ہیں جس سے کوئی کام جوڑتے ہیں اور اس کو مسند الیہ بناتے ہیں، چنانچہ کوئی نہیں کہتا ''لکھ لیا زید نے'' اگر کہیں گے تو یوں کہیں گے ''زید نے لکھ لیا'' اس لیے اردو زبان میں فعل اور کام کا ذکر ہمیشہ بعد میں آتا ہے اور عربی میں وہ جملہ خواہ فعلیہ ہو یا اسمیہ لیکن اردو میں نتیجتاً وہ جملہ اسمیہ ہی ہو جاتا ہے، ایسے ہی ہر زبان میں فعل فاعل کے مطابق ہونے کا خیال رکھا جاتا ہے، اگر مرد کے لیے چلا گیا کہیں گے تو عورت کے لیے، چلی گئی، کہا جاتا ہے، ایک کا چلا جانا بتانا ہو تو وہ ''چلا گیا'' کہا جائے گا، دو یا زیادہ کا بتانا ہو تو وہ چلے گئے کہا جاتا ہے، ایسے ہر کوئی جب کسی کام کو کرنے کو بتاتا ہے تو اس میں کام یعنی فعل اور جس نے وہ کیا یعنی فاعل اور جس کے ساتھ کیا یعنی مفعول بہ اور کیوں کیا یعنی مفعول لہ اور کہاں کیا یعنی ظرف مکان اور کس وقت کیا یعنی ظرف زمان اور کس حال میں کیا، یعنی حال ان چیزوں کا بھی ذکر گفتگو میں لائے گا گویا نحوی اصطلاحات ہر زبان میں بولنے اور استعمال میں آئیں گی، یہی حال فعل مدح وذم کا ہے ہم کہتے ہیں محمد نسیم

بہت برا آدمی ہے، جس کی عربی بنے گی"بئس الرجل محمد نسیم" اکرام بہت شریف آدمی ہے" نعم الرجل اکرام" ایسے ہی فعل تعجب کیا ہی عمدہ کھانا ہے "ماأحسن الطعام"، غرضیکہ سب زبانوں میں علم نحو نکالا جا سکتا ہے۔

علم نحو کو نحو اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نحو کے معنی جانب اور طرف نیز طریقہ راستہ کے ہیں چونکہ ہر زبان میں اس زبان کے طریقے والوں پر چلایا جاتا ہے، الٹا سیدھا جیسا بھی ان کی زبان میں رواج اور طریقہ ہے اسی پر رہنا پڑے گا عقل کا کوئی چارہ اس میں نہیں چلتا مثلاً جانا، مصدر ہے؛ لیکن اس سے ماضی صیغے ''وہ گیا'' وہ گئے، کہتے ہیں، جب کہ عقل کہتی ہے وہ ''جیا'' وہ ''جیئے'' کہنا چاہئے، پھر مضارع میں اپنی اصل پر بولتے ہیں ''وہ جائے گا، جائیں گے''۔

تو حاصل یہ ہے کہ کوئی زبان ایسی نہیں ہے کہ جس کا علم صرف ونحو نہ ہو، اب اصل تو عربی زبان کا صرف ونحو وجود میں آیا اور اس پر اتنی محنت اور موشگافیاں کی گئی ہیں کہ دیگر زبانوں کا علم صرف ونحو بھی اسی زبان کے طفیل وجود میں آیا ہے، اور دیگر زبانوں کے صرف ونحو میں یہ اصطلاحات چل گئی ہیں۔

اسی لیے ایک مولوی کو جو عربی کے صرف ونحو سے واقف ہو گیا انگریزی زبان کے گرامر اور قواعد سے واقف ہونا بہت آسان ہے۔

اسی لیے انگریزی لغات میں بھی جگہ جگہ ہر فعل کے ساتھ فعل متعدی اور فعل لازم لکھا رہتا ہے اور یہی حال دیگر اصطلاحات کا بھی ہے کہ وہ عربی پڑھے ہوئے کو صرف جاننی پڑتی ہیں، سمجھنی نہیں پڑتیں۔

اسلامی زبانوں کا امتیاز وشرف:

ملت اسلامیہ کی منجملہ خوبیوں کے ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس کی ترجمانی کرنے والی زبانیں کیا عربی، کیا فارسی، کیا اردو سب کا لکھنا پڑھنا دائیں طرف سے ہوتا ہے اور بموجب حدیث "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّیَامُنَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی التَّنَعُّلُ وَالتَرَجُّلُ" (کہ داہنا پن اللہ کو ہر چیز میں پسند ہے حتی کہ جوتا پہنے اور کنگھا کرنے تک میں) از خود فطرۃ یہ خوبی ان زبانوں کو حاصل ہے۔

دھیان رکھنے کے لائق ایک اہم بات:

قواعد صرف ونحو کسی بھی زبان کے ہوں سب کے متعلق یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ قواعد اس زبان کے تابع ہوتے ہیں، وہ زبان قواعد کے تابع نہیں ہوتی ہے، اس بات کے جاننے سے بہت سی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بھی قاعدہ ہوتا ہے وہ صرف اکثری ہوتا ہے نہ کہ کلی یعنی اکثر جگہوں پر اہل زبان کا استعمال اس طرح ہے جس طرح قاعدہ بتایا گیا ہے، اگر اس کے خلاف کہیں مل جائے گا تو اس کا استثناء کرنا ہی پڑے گا اور خلاف قیاس یا شاذ ونادر کہہ کر اس قاعدہ سے اسے الگ کیا جاتا ہے جیسے مرکب بنائی "اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَۃَ عَشَرَ" تک ہے، اس کے اعراب کا قاعدہ یہ بتایا ہے کہ دونوں جزوں میں مبنی بر فتحہ پڑھنا ہے مگر "اِثْنَا عَشَرَ" کے جز اول میں یہ قاعدہ ٹوٹ گیا اور یہ بجائے مبنی بر فتحہ کے معرب ہوگا، اب کوئی کہنے لگے کہ جی یہ معرب کیوں ہے؟ تو اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اہل عرب کا استعمال اس کے بارے میں یوں ہی ہے۔

ترجمہ: ترجمہ ہے، اصل عربی زبان کے جاننے کی بات ہی کچھ اور ہے:

گو اردو میں قرآن وحدیث وفقہ سب کا ترجمہ ہو کر ذخیرہ موجود ہے اور ہم اللہ ورسول اور ائمہ کرام کی مراد کو سمجھ جاتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو اللہ ورسول کے کلام کا لطف ہے اور اس کی جو حلاوت ہے اصل عربی جانے کے بغیر ہم ضرور اس سے محروم رہتے ہیں اور اس کے اثر اور سحر انگیزی کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے، دنیا میں سب سے اعلی زبان قرآن پاک کی ہے، اس کے بعد حدیث پاک کے ذیل کے ایک حیرۃ انگیز واقعہ عجیبہ سے عبرت درکار ہے جو ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے مجلّہ ''البعث الاسلامی'' جلد ۵۱/شمارہ ۴/جنوری ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے، اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کا بیان کردہ ہے کہ

'' سعودی عرب کے بادشاہ فیصل بن عبدالعزیزؒ فرانس کے اندر

علاج کے لیے جایا کرتے تھے، وہاں پر آپ کے معالجوں میں ایک مشہور جراح ڈاکٹر موریس بکائی تھا، فن جراحی میں اس کی شہرت تھی، اس جراح کا معمول تھا کہ مریضوں کو قرآن کریم کے بارے میں شبہات میں ڈالتا اور انہیں کہتا کہ قرآن تو اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا ذاتی کلام ہے اور اس کی بہت سی باتوں میں تناقض اور ٹکراؤ ہے، خود اس ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ بچپن سے ہی اس طرح کے شبہات ہمیں اس لیے تلقین کئے گئے تھے کہ ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان کے دین سے پھرا کر نصرانی بنا سکیں اور اب بڑے ہو کر میں ان شبہات کے ذریعہ لوگوں کو عیسائی بنانے کا تجربہ کرنے لگا۔

آخر ہوا یہ کہ ایک دفعہ شاہ فیصل برائے علاج جب میرے پاس آئے تو میں نے سوچا کہ ان کو عیسائی بنانا یا کم از کم شک میں ڈالنا میرا اور عیسائی مشینری کا بڑا کارنامہ بنے گا، تو اکثر میرا معمول تھا کہ میرے مسلم مریض جو عموماً بڑی ہی شخصیات ہوتی تھیں ان کا آپریشن شاندار طریقے پر کرتا، محبت سے پیش آتا اور جب وہ ٹھیک ہو جاتے تو ان سے یہی سوال کرتا کہ آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں، کیا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا گیا ہے، یا خود ان کا اپنا کلام ہے اور خواہ مخواہ اللہ کا کلام کہتے ہیں، تو مریض جواب دیتا کہ نہیں قرآن اللہ ہی کا کلام ہے اور آپ اس بات میں سچے ہیں جس پر میں کہتا کہ میرے خیال میں تو یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ آپ کے محمد اس بات میں سچے ہیں، بس مریض چپ ہو جاتا اور آگے کوئی بات نہ ہوتی، ایک زمانہ ایسا ہوتا رہا۔

تا آنکہ شاہ فیصل تشریف لائے، میں نے ان کا آپریشن کیا اور جب وہ ٹھیک ہو گئے تو ان سے بھی مذکورہ بالا سوال رکھا، تو انہوں نے بڑے پرسکون انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن حقیقتاً اللہ ہی کا کلام ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، ڈاکٹر موریس بکائی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تو اس کے سچا ہونے کو نہیں مانتا، جس پر شاہ فیصل بولے ''کیا آپ نے قرآن پڑھ کر دیکھا ہے'' تو ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ جی بہت مرتبہ پڑھا ہے اور اس میں غور بھی کیا ہے، پھر شاہ فیصل نے کہا ''اصل قرآن پڑھا ہے یا ترجمہ پڑھا ہے''۔

ڈاکٹر بولا میں نے تو ترجمہ پڑھا ہے، اصل نہیں پڑھا، جس پر شاہ فیصل نے کہا تب تو آپ حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور مترجم کے پیروکار ہیں، متراجم تو مترجم ہے کوئی گارنٹی اور ضمانت نہیں ہے کہ اس میں غلطی نہ کی ہو یا جان بوجھ کر اس نے اصل حقیقت سے نہ پھیر دیا ہو۔

آپ مجھ سے عہد کیجئے کہ عربی سیکھ کر عربی زبان میں ہی قرآن پڑھیں گے، آپ ایسا کریں گے تو مجھے امید ہے کہ آپ کا یہ غلط اعتقاد کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے محمد کا ہے، بدل کر رہے گا، ڈاکٹر مذکور فرماتے ہیں کہ میں شاہ فیصل کے اس جواب سے حیران رہ گیا اور میں نے کہا کہ آپ سے قبل بہت سے مسلمانوں سے یہ سوال کر چکا ہوں لیکن ایسا جواب صرف آپ نے دیا کسی اور نے نہیں دیا، پھر میں نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر شاہ فیصل سے یہ عہد کر لیا کہ میں قرآن اور محمد کے بارے میں جب تک عربی نہ سیکھ لوں کچھ نہیں بولوں گا اور قرآن کو قرآن کی زبان میں پڑھ کر غور کروں گا، یہاں تک سچ جھوٹ ہونے کا معمہ حل ہو جائے، چنانچہ ڈاکٹر موریس بکائی کہتے ہیں کہ میں اسی روز ایک بڑی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پہنچا اور ایک ماہر استاذ سے روزانہ عربی سیکھنے کے لیے ایک گھنٹہ کا ٹیوشن باندھ لیا حتی کہ اتوار جو چھٹی کا دن ہوتا ہے اس دن بھی یہ ٹیوشن جاری رکھا اور مسلسل دو سال تک میں یہ ٹیوشن پڑھتا رہا، جس کے سات سو تیس گھنٹے ہوئے پھر جو میں نے قرآن کریم پڑھا اور اس میں غور کیا تو مجھ پر حقیقت کھل گئی حتی کہ مشرف باسلام ہو گیا ''فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ'' پھر اس ڈاکٹر نے مذہب اسلام کی حمایت اور قرآن کی حقانیت کے سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں جن کا بارہ زبانوں میں ترجمہ ہوا، علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے:

کعبہ کو پاسباں مل گئے صنم خانہ سے

❁❁❁❁❁

فکر وعمل

مشورہ کی اہمیت

مولانا مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، حیدرآباد

"عن سعید بن المسیب رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ "لن یهلك امرؤ بعد مشورة"۔(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"کوئی انسان مشورہ کے بعد ہلاک نہیں ہوتا"۔

اس روایت میں مشورہ کی اہمیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا ہے، چونکہ انسان کی فطرت میں غلطی کا عنصر شامل ہے اور انسانی عقل ناقص اور متفاوت ہے اور اللہ تعالی نے انسانوں میں فکر ومزاج کے اختلاف کے ساتھ عقل وفہم کی قوت وضعف کا بھی فرق رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی مرتبہ کسی مسئلہ کے مفید یا نقصان دہ پہلو کو ایک انسان سمجھ جاتا ہے، جب کہ دوسرا انسان اپنی عقل وفکر کو تھکا نے کے باوجود اس نتیجہ تک نہیں پہنچ پاتا اور انسانی معاملات میں کامیابی وناکامی، اچھائی وبرائی اور مفید ومضر دونوں قسم کے پہلوؤں کا اندیشہ رہتا ہے، اور بعض دفعہ تھوڑی سی بداندیشی انسان کے لیے مضر ثابت ہوتی ہے کہ انسان اس کی تکلیف برداشت نہیں کرپاتا، اس لئے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ انسان اپنی عقل وفہم کو ہی کامل نہ سمجھے، بلکہ اپنے معاملات میں دوسروں سے بھی مشورہ کرلے، ہوسکتا ہے کہ جو بات اس کے ذہن میں نہ آسکی ہو اللہ تعالی اس انسان کے ذہن میں وہ بات ڈال دیں، جس سے اس نے مشورہ کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا دانا اور عقل مند کون ہوسکتا ہے بلکہ آپ کی عقل وخرد پر سارے عقلاء کی عقلمندی قربان ہے، اس کے باوجود اللہ تعالی نے اپنے حبیب کو مشورہ کا حکم دیا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے

"وشاورهم فی الامر" لوگوں سے مسائل میں مشورہ کرلیا کیجئے۔

مشہور مفسر حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو مشورہ کا حکم اس لیے دیا کیونکہ اس میں بہت سے فضل پوشیدہ ہیں۔

اللہ تعالی کے اسی حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام معاملات ومسائل میں صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے اور مشورہ میں جو بات طے پاتی اس پر عمل بھی کرتے تھے، چاہے وہ بات آپ کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتی، مثلاً غزوۂ احد کے موقع پر آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبل کی رات میں ایک خواب دیکھا تھا کہ جس کی یہ تعبیر تھی کہ اس جنگ کے لیے مدینہ محفوظ ترین مقام ہے، جب کہ بہت سے صحابہ کرام کی اور بالخصوص ان صحابہ کی جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے، رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم موقع پر صحابہ کرام کی رائے پر عمل کیا اور آپ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقام احد میں دشمنوں سے یہ جنگ لڑی۔(غزوات الرسول وسرایا لابن سعد)

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں منبر بنوانا چاہا تو صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور اس مشورہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر بنوایا۔(مصنف عبدالرزاق)

اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل عقل رکھنے کے باوجود اس لیے مشورہ کرتے

اوراپنی رائے پراصرار کرنے کے بجائے مشورہ کے مطابق عمل کرتے تاکہ حکم الٰہی کی تعمیل کے ساتھ ساتھ امت کومشورہ کی اہمیت معلوم ہوجائے، بالخصوص ارباب حل وعقداور امراء وسلاطین کو یہ تعلیم مل جائے کہ وہ بھی اپنی عقل پرنازاں نہ ہوں بلکہ مشورہ کواپنا اصول بنائیں اوراپنی رائے کوہی درست اور صحیح تصور کرنے کے بجائے مشورہ قبول کرنے اوراس پرعمل کرنے کوہی اپنے حق میں بہتر اور مفید سمجھیں اوراس طرح بے شمار مسائل میں اجتماعی غور وفکر کی وجہ سے ناکامی اور پشیمانی سے بچ سکیں،حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں"امرہ بمشاورتھم لیستن بھا المسلمون ویتبعہ فیھاالمومنون وان کان عن مشورتھم غنیا" اللہ تعالی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوصحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم اس لیے دیا،تاکہ مسلمان اس طریقہ کواختیار کریں،اور مومنین اس میں آپ کی پیروی کریں،اگرچہ آپ صحابہ کے مشورہ سے بے نیاز تھے" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیم کوپیش نظر رکھتے ہوئے بعد کے خلفاء نے بھی اس کواپنا اصول بنایااور ہر مسئلہ مشورہ کے ذریعہ حل کیا، چاہے وہ مسئلہ خالص دینی اور شرعی ہو یا سیاسی۔

مشورہ کی جامع افادیت کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:"بے شک مشورہ اورمناظرہ دونوں کے دونوں رحمت کے دودروازے اور برکت کی دوکنجیاں ہیں،ان کے ساتھ کوئی رائے غلط نہیں ہوتی اورکوئی شخص ان دونوں کے ساتھ یقین سے محروم نہیں ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مشورہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:"الاستشارۃ عین الھدایۃ وقد خاطر من استغنی برایہ" مشورہ عین ہدایت ہے اور جوشخص اپنے رائے سے ہی خوش ہوگیاوہ خطرات سے دوچار ہوا۔

اسی طرح بعض ماہرین اورعقل مندوں کا یہ قول ہے کہ عقل والے پر یہ لازم ہے کہ وہ دیگر عقلمندوں کی رایوں کواپنی رائے سے ملالے اوراپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقل کوجمع کرلے،کیونکہ بہت سی مرتبہ تنہارائے پھسل جاتی اوراکیلی عقل گمراہ ہوجاتی ہے۔

علامہ ابن امیر الحاجؒ نے لکھاہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے اس میں پانچ خوبیاں ہونی چاہئے (۱) وہ عقلمند اورتجربہ کار ہو (۲) دیندار اور متقی ہو (۳) خیرخواہ اورمحبت کرنے والا ہو (۴) فکرونظر کے اعتبار سے سنجیدہ اور صالح ہو (۵) اس معاملہ سے اس شخص کا جس سے مشورہ لیا جارہاہے کوئی مفادوابستہ نہ ہو۔

یقیناً یہ بنیادی باتیں مشورہ سے قبل ضرور دیکھنی چاہئے کیونکہ ہرکس وناکس، ناتجربہ کار یابددین اورغیرخیرخواہ وغیرہ سے مشورہ بہت ہی نقصان دہ ہوتاہے،عبداللہ بن الحسن فرماتے ہیں: جاہل کے مشورہ سے بچو!اگرچہ وہ خیرخواہ ہو،جیسا کہ عقلمند کی دشمنی سے بچتے ہو،کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا مشورہ تجھے ہلاکت میں ڈال دے۔

اسی طرح اس شخص کا مشورہ بھی غلط ہوتاہے جس کا کوئی مفاد اس چیز سے وابستہ ہو،مثلاً کسی دکاندار سے کسی چیز کے خریدتے وقت اس چیز کے بارے میں مشورہ کیا جائے،تواس کی تعریف میں تووہ بہت کچھ بیان کردیتاہے،مگراس کے نقصان دے اور کمزور پہلوؤں کو بیان نہیں کرتا،کیونکہ اس کے فروخت ہونے سے اس کا مفادوابستہ ہے۔

نیز جس سے مشورہ کیا جائے اس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اسے اپنے بھائی کا حق سمجھتے ہوئے صحیح مشورہ دے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کرکسی کے معاملہ کوبگاڑنے کے لیے یاکسی کا نقصان کرانے کے لیے غلط مشورہ دینے کوخیانت بتایاہے،آپ کا ارشاد ہے"جس نے اپنے بھائی سے مشورہ کیااوراس نے اسے کوئی ایسا مشورہ دیا جس کے علاوہ میں وہ کامیابی سمجھتا ہو،تواس نے اس کے ساتھ خیانت کی"۔اس لیے جو بات بہتر معلوم ہوتی ہواسی کی رہنمائی کرنی چاہئے تاکہ خیانت کا گناہ نہ ہو،اور معاملات میں مشورہ کرنا چاہئے تاکہ اس سنت نبوی پرعمل ہونے کے ساتھ ساتھ کامیابی سے ہمکنار بھی ہواور شرمندگی کا سامنا نہ ہو۔

یہ ہے مشورہ کی اہمیت،اس لیے معاملات ومسائل کے حل کرنے میں مشورہ ضرور کرنا چاہئے تاکہ اجتماعی غور وفکر سے صحیح حل کی رہنمائی ہوسکے،اللہ تعالی صحیح سمجھ عطافرمائے۔

حقائق

پہلی قسط

بلند ہمتی فلاح وکامرانی کی خشتِ اول

مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

"واذكر عبادنا إبراهيم و إسحاق و يعقوب أولى الأيدى و الأبصار إنا أخلصنا هم بخالصة ذكرى الدار"۔

اللہ رب العزت کا جتنا بھی ہم شکر ادا کریں کم ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایمان اور علم کی دولت سے خاص طور پر علم دین کی دولت سے مالا مال کیا، اچھے انسان کی ہمیشہ یہ آرزو اور تمنا ہوا کرتی ہے کہ وہ دنیا میں کوئی ایسا کام کر جائے کہ جس کے کرنے سے یہاں سے چلے جانے کے بعد اور اس کی موت کے بعد بھی دنیا اسے یاد کرتی رہے، اور یہ تمنا اور آرزو کوئی غلط چیز نہیں ہے، کیونکہ جب قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارناموں کا تذکرہ کیا تو ان کے کارناموں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ نے ان کے ساتھ ایک انعام اور ایک وعدہ یہ بھی کیا کہ ہم آپ کے بعد آپ کا ذکر خیر چھوڑیں گے، کہ دنیا میں لوگ آپ کو بھلائی سے یاد کرتے رہیں گے، اب ظاہری بات ہے کہ اس دنیا میں انسانوں کی بڑی تعداد ہے؛ ہر زمانہ میں انسان پیدا ہوتے رہے، اب یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی ایسا کام کر جائے کہ جس کے کرنے سے اس کا ذکر خیر اس دنیا میں رائج اور عام ہو، البتہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک، ہر زمانہ میں سنت اللہ یہ رہی کہ بہر حال کچھ لوگ ضرور ایسے ہوا کرتے ہیں جو انتہائی عظیم کارناموں کو انجام دینے کی وجہ سے اپنی زندگی میں بھی یاد کئے جاتے ہیں اور اپنے مرنے کے بعد بھی، وہ اپنے پیچھے ذکر خیر چھوڑ جاتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان دنیا میں اپنا ذکر خیر چھوڑنے کے لیے کون سی صورت اپنائے، کون سا طریقہ اختیار کرے، جس کی بنا پر اللہ رب العزت بھی اس کے لیے یہ فیصلہ کر دے کہ اس کے مرنے کے بعد قیامت تک اس کا ذکر خیر ہوتا رہے، تو اس سلسلہ میں قرآن پاک ہماری بھر پور رہنمائی کرتا ہے، چناں چہ قرآن کریم ہمیں وہ اوصاف وکمالات بتاتا ہے، جن کی بنا پر آج بھی لاکھوں کروڑوں برس پہلے گذرے ہوئے انسانوں کے تذکرے زندہ ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔

جو آیت کریمہ اوپر پیش کی گئی اس کی تفسیر میں امام ابن القیم الجوزیؒ جو بڑی جاندار اور شاندار کتابوں کے مصنف گذرے ہیں، جو ابن تیمیہؒ کے تلمیذ تھے، فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: "واذكر عبادنا إبراهيم واسحاق و يعقوب أولى الأيدى و الأبصار"۔

''واذکر'' اور یاد کیجئے ''عبادنا'' ہمارے بندوں میں سے "إبراهيم واسحاق و يعقوب" کو جو دو اہم صفات کے حامل تھے، ایک یہ کہ وہ صاحب علم وبصیرت تھے اور دوسرے یہ کہ وہ بلند ہمتی اور جواں مردی سے متصف تھے۔

ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن ان الفاظ کے ذریعہ یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ انسان میں اگر یہ دو وصف پائے جائیں تو انسان ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے، وہ ایسے کارناموں کو انجام دے سکتا ہے، کہ جن کارناموں کی وجہ سے اللہ رب العزت دنیا اور آخرت میں اس کے لیے سرخ روئی مقدر فرما دیتے ہیں، بہر حال ان قدسی صفات بزرگوں کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ صاحب علم وبصیرت تھے؛ لہٰذا انسان میں پہلی چیز علم اور بصیرت کا ہونا ضروری ہے، تا کہ وہ

حق اور باطل، خیر وشر، حلال وحرام، جائز وناجائز میں تمیز کر سکے،اور اسے یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ چیز حق ہے اور یہ چیز باطل، یہ چیز خیر ہے اور یہ چیز شر، یہ چیز مفید ہے یہ چیز مضر،اس چیز کا دنیا اور آخرت میں یہ فائدہ ہو سکتا ہے،اور اس چیز کا دنیا اور آخرت میں یہ نقصان، ''والأبصار'' سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اور دوسری صفت کی طرف ''اولی الایدی'' سے اشارہ ہے، فرمایا کہ وہ قوت، طاقت، بلند فکری اور بلند ہمتی کے مالک تھے، جس کو عربی زبان میں ''علو الہمۃ'' کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ ایک آدمی کو حق اور باطل کا علم ہے، وہ حق اور باطل اور شر اور خیر میں تمیز کرتا ہے، اس کے انجام بد اور انجام خیر کو جانتا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ اس میں ایسی ہمت اور طاقت کا ہونا ضروری ہے، کہ جس ہمت اور طاقت کے بل بوتے پر کیسے ہی برے حالات اُس پر آجائیں وہ حق کو حق جان کر حق کو نافذ کرنے کی کوشش کرے گا، آج مسلمانوں کو بالخصوص علماء و مدارس کے طلباء کو اس چیز کی نہایت ضرورت ہے کہ وہ سستی اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی کامیابی کا راز اللہ رب العزت نے بیان کیا، حضرت یعقوب کی کامیابی کا راز اللہ نے بیان کیا حضرت اسحٰق کی کامیابی کا راز بیان کیا کہ یہ لوگ وہ تھے جو ''الابصار'' یعنی دین، حلال وحرام اور حق و باطل کے بارے میں خوب اچھی طرح معرفت رکھتے تھے، اور انبیاء تھے، کیسے ان کو معرفت نہیں ہو سکتی تھی، تو دوسری طرف ان میں یہ صفت تھی کہ وہ حق کو نافذ کرنے کے لیے کیسے بھی قربانی کیوں نہ ہو، اس کے لیے وہ تیار تھے یعنی وہ بلند ہمتی کے حامل تھے، تو معلوم ہوا کہ انسان کے اندر دو اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

انسانوں کی چار قسمیں:

امام ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں حق اور باطل کو جاننے اور حق کو باطل پر ترجیح دینے کے اعتبار سے انسان کی کل چار قسمیں ہیں:

(۱) سب سے پہلی قسم تو وہ ہے کہ ہر زمانہ میں کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو حق اور باطل کو خوب جانتے ہیں، ان کو اس کا علم ہوتا ہے، اور ان کے اندر وہ جرأت اور طاقت بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں حق کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ چاہے اس کے لیے اپنا مال کھپانا پڑے، یا اپنی عزت کو قربان کرنا پڑے، خواہ اس کے لیے اپنی دولت کی قربانی دینی پڑے، یا اپنے اولاد کی، غرضیکہ اپنی کسی بھی محبوب سے محبوب چیز کو قربان کرنا پڑے، وہ حق بیانی اور حق کی ترویج وتنفیذ کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں، تو یہ ہے انسانوں کی سب سے اعلیٰ ترین جماعت۔

(۲) دوسری وہ جماعت ہوتی ہے جو اس کے برعکس، نہ تو اسے حق کا علم ہوتا ہے، نہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل، اور نہ تو اسے یہ پتہ ہوتا ہے کہ یہ خیر ہے اور یہ شر، اور نہ اسے یہ پتہ ہوتا ہے کہ یہ اچھا ہے اور یہ برا، اسے کوئی علم نہیں ہوتا بلکہ وہ جاہل ہوتا ہے، اور نہ اس کے پاس بلند ہمتی ہوتی ہے، جب وہ حق کو جانتا ہی نہیں تو وہ حق کو نافذ کرنے کی کوشش کیسے کر پائے گا، یہ انسانوں کی سب سے کمتر و ارذل ترین جماعت ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ رب العزت کے یہاں ان کی کوئی عزت نہیں، چاہے وہ کتنے ہی حسین اور جمیل کیوں نہ ہوں، چاہے کتنے ہی مال کے مالک، کتنی ہی دولت اور کتنی ہی عزت اور کتنی ہی ڈگریاں اپنے پاس رکھتے ہوں، مگر یہ دو چیزیں ان کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے، وہ عند اللہ سب سے ارذل ترین جماعت ہوتی ہے۔

(۳) اس کے بعد فرمایا تیسری قسم انسانوں کی وہ ہوتی ہے، جو حق اور باطل کا علم رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اور یہ باطل، مگر ان کے اندر حق اور باطل کو نافذ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، جس کو "المؤمن الضعیف" کہا جائے، تو یہ اس کے لیے صحیح تعبیر ہے، وہ ڈرتا رہتا ہے وہ اپنے اندر جرأت نہیں رکھتا، یہ آدمی بھی ٹھیک ہے، مگر بہت زیادہ ٹھیک نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے کہ "المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف"۔

امام ابن القیم الجوزیؒ نے بڑا جاندار استدلال فرمایا، وہ فرماتے

ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ''قوی مومن'' ضعیف مومن سے اچھا ہے، تو قوت سے یہاں جسمانی قوت مرادنہیں ہے، ہمارے طلبہ جسمانی ورزش پر توجہ دیتے ہیں، اس کو سب کچھ سمجھتے ہیں، یہاں وہ ورزش والی طاقت مرادنہیں ہے، بعض طلبہ تو اس کے لئے مدرسہ کی چیزیں بلا اجازت استعمال کرتے ہیں، ظاہر سی بات ہے وہ قوت بھی حاصل ہوتو کوئی کام کی نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ آپ نے جس طریقہ سے قوت حاصل کرنے کی کوشش کی وہ ناجائز طریقہ ہے، آپ کو مدرسہ نے سیمنٹ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی، آپ کو مدرسہ نے سریئے کے استعمال کی اجازت نہیں دی، تو ظاہر بات اس سے جو قوت حاصل ہو اس قوت کا بھی کوئی فائدہ نہیں، ایسی قوت سے کچھ ہوتا نہیں، اللہ کے یہاں ایسی قوت کا کوئی خیال اور لحاظ نہیں، اللہ ایسی قوت کو پسند نہیں کرتا۔

بہر حال یہ بات بیچ میں آ گئی، کہنے کا مطلب یہ کہ ہمیں المؤمن القوی بننے کی کوشش کرنا چاہئے یعنی حق اور باطل کو جاننے کے بعد ہر حالت میں حق کو بیان کرنا، حق کو نافذ کرنا ہمارا فریضہ ہونا چاہئے۔

(۴) چوتھی قسم انسانوں کی یہ ہوتی ہے کہ وہ طاقت اور ہمت بہت رکھتے ہیں، مگر انہیں حق اور باطل کا علم ہی نہیں کہ کیا حق ہے اور کیا باطل، فرمایا اس میں اور دوسری قسم میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کہ وہ اپنی طاقت کو استعمال کرے گا باطل کے لیے، اور اس کو یہ پتہ ہی نہیں کہ میں حق کے لیے استعمال کر رہا ہوں یا باطل کے لیے۔

اب ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہمارا شمار کس جماعت میں ہے، ہم اللہ سے دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں آیت کریمہ ''اولی الأیدی والأبصار'' کے مطابق علم وبصیرت اور نفاذ حق کی صلاحیت دے کر پہلی جماعت میں شامل فرمالے۔ آمین!

پہلی جماعت میں شامل ہونے کا طریقہ:

ابن القیم الجوزیؒ قرآن اور حدیث کو گھول کر پی گئے تھے، اسی لیے آگے اس کا بھی طریقہ بیان فرماتے ہیں، یہ جو کچھ وہ بیان کر رہے تھے، ایسا لگتا ہے کہ درحقیقت ان کی زبان نہیں بول رہی ہے بلکہ قرآن وحدیث کا نور بول رہا ہے، بہرحال ان کے بقول کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے: (۱) ارادہ (۲) علم

جب ارادہ ہوگا تو آدمی علم کی طرف جائے گا اور جب علم حاصل ہوجائے تو اب کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس میں مہارت ورسوخ پیدا ہو، فرماتے ہیں کہ علم میں مہارت اس وقت پیدا ہوگی، جب کہ آدمی طلب علم کے زمانہ میں ہمت سے کام لے، وہ راتوں کو جاگنے سے پیچھے نہ ہٹے، وہ بھوکا رہنے سے گھبرائے نہیں، وہ آنے والے مصائب کے لیے تیار رہے، لیکن اپنے مقصد میں لگا رہے، دنیا کی تاریخ آپ اٹھا کر دیکھئے، ابھی عرب ممالک اور یورپین ممالک میں ''ھندسة الحیاة و صناعة التأثیر'' کے عنوان سے مستقل کتابیں لکھی جارہی ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر صلاحیتیں کس طرح پیدا کرے، اپنی ذات کو کس طرح نکھارے اور کس طرح بلند مقام تک پہنچنے کی کوشش کرے، اور اس کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرے؛ اس سلسلہ میں عرب علماء کی کتابیں زیادہ معتبر ہیں، اس لیے کہ وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھ رہے ہیں؛ مثال کے طور پر مشہور عربی عالم ''علی الحمادی'' ہے، ان کی اس عنوان پر بڑی جاندار تصنیف ''مهندسو الحياة و صناع التأثير.. من هم؟'' کے نام سے ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے؛ فرمایا کہ انسان اپنے اندر بلند ہمتی کیسے پیدا کرے؟ اس وقت دنیا میں انسان بہت ساری غلط فہمیوں کا شکار ہے، سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ انسان کی ایک بڑی جماعت یہ سمجھ بیٹھی ہے کہ دنیا کے اندر عزت اور مقام اسی کو حاصل ہوتا ہے جس کے پاس پیسہ ہو؛ کہا کہ یہ غلط ہے، ہم نے ایسے انسانوں کے بارے میں تواریخ میں پڑھا ہے، جن کے پاس ایک روپیہ نہیں تھا، مگر ان کو ایسی عزت ملی، کہ بعد کے لوگ اس مقام تک پہنچنے سے قاصر رہے، باوجود اسباب وسائل ہونے کے۔

نقطۂ نظر

پہلی قسط

آیت ''اولی الامر'' اور اربابِ سیاست

مولانا سلمان عبدالصمد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

''یـاایھـاالذین اٰمنوا اطیعو اللّٰہ واطیعوالرسول و اولی الامر منکم''۔(سورۂ نساء:۵۹)

اے لوگوں جو ایمان لانے والے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبِ امر ہوں۔

بالذات باری تعالیٰ ھی اطاعت کے لائق ھیں:

دستور اسلام میں ''بالذات'' فقط ذات باری تعالیٰ ہی مطاع ہے، اس کی ہی پیروی کی جائے گی، اس کے ہی وضع کردہ تمام آئین و قوانین سرتاپا سرحق اور واجب الاتباع ہیں، ان میں تنقیص کا شائبہ تک نہیں، برعکس اس کے دنیا کے تمام واضع قوانین کے تمام وضع کردہ اصول وقواعد اور قوانین میں نقص ہے اور نہ ہی وہ مشعل راہ، مقتضائے عقل وفہم بھی یہی ہے کہ کسی ادارہ کا بانی یا کسی مشین کا موجد ہی صحیح طرح اندازہ کرسکتا ہے کہ ادارہ یا مشین کو کب کس چیز کی کتنی ضرورت ہوگی یا ہے، فلک بوس پہاڑوں پر، تاروں بھرے آسمان پر، بحر و بر، شمس وقمر، شجر وحجر پر خداوند قدوس کی ہی نشانیاں جلوہ گر ہیں، ان پر اس کی خلاقیت وکاریگری کی مہریں ثبت ہیں، یہ آب وگل کے چمن، لیل ونہار کی گردش، نیلگوں آسمان، عجیب وغریب دیگر مخلوقات اس کی دین اور نوازش وعنایت ہیں، انس وجن کی تخلیق اس کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے، وہی اس کا خالق و مالک حقیقی ہے، یہ ظاہر بات ہے کہ وہی ذات ان تمام کے نظام کو مناسب طریقہ سے چلانے کیلئے موزوں ہوگی جو ان کی خالق وصانع ہے، جب خدا ہی فاطر السمٰوات والارض ہے تو اسے ہی اندازہ ہے کہ کب کب کن کن چیزوں کی کتنی کتنی ضرورت ہوگی؟ کیا کیا قوانین انس وجن اور دیگر مخلوقات کے لئے مفید وغیر مفید ہوں گے؟ یہی وجہ ہے کہ اسی کے قوانین وضوابط ہی قابل اعتبار اور واجب الاتباع ہیں ''ان الحکم للّٰہ.....للّٰہ الامر من قبل و من بعد.....الا لہٗ الخلق و الامر''۔

رسول ﷺ کی دو حیثیتیں:

اس ذات حق جل مجدہٗ کے بعد قرآن کے پیش کردہ اصول میں محبوب الکبریا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطاع ہیں۔

وہ ملک سے افضل ہے انبیاء سے اعلیٰ ہے
رب کے بعد ہی سب سے بڑھ کر کملی والا ہے

چنانچہ ان کے ارشادات وفرمودات سرآنکھوں پر رکھنے کے لائق ہیں ''لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ'' یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تمہارے لئے اسوہ موجود ہے، وہ تمہارے لئے آئیڈیل ہیں، نمونہ ہیں ہر میدان میں، خواہ مسائل عبادت ہو کہ ریاضت و سیاست، یہی وہ ذات ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہے، ان کے واسطہ سے ہی خدا کے احکامات ہم تک پہنچے، یہ واضح ہو کہ امت کے فاقہ کش معلم اور برہان عظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ''بالذات'' مطاع نہیں بلکہ ''وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ'' کے پیش نظر واجب الاتباع ہیں، تاجدار مدینہ بہ نفس نفیس مطاع نہیں ہیں کہ وضاحت اس مثال سے بھی از خود ہوتی ہے۔

حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم المدینۃ و ھم یؤبرون

النخل فقال أ ما تصنعون؟ قالو كنا نصنعهٗ، قال لعلكم لولم تفعلوا خير لكم فتركوه فنقضت قال فذكروا ذلك له فقال انما أنا بشر اذا أمرتكم من امر دينكم فخذوه بهٖ واذا امرتكم بشیٔ من رأى وانماأنابشر"۔(مسلم)

ہجرت مکہ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ ہوئی، اس وقت اہل مدینہ درختوں میں ''تابیر'' کیا کرتے تھے (تابیر کہتے ہیں نر درخت کے شگوفہ کو توڑ کر مادہ درخت کے شگوفہ کے اندر ڈال دینا تاکہ پھل زیادہ آئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم یہ کیا کرتے ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بہت پہلے سے ایسا کرتے چلے آئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تمہارا ایسا نہ کرنا تمہارے پھلوں کے تئیں مفید ہو، لہٰذا انہوں نے اس سال تابیر کے طریقہ کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے پھل کم آئے، راوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے دربارِ رسالت میں اس قضیہ کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تو انسان ہوں، چنانچہ میں ایسی بات کا حکم دوں جو تمہارے دین سے متعلق ہو تو اسے فی الفور مضبوطی سے پکڑ لو اور جب کبھی کوئی بات دنیاوی امور میں بتلاؤں تو خیال کرنا کہ میں بھی تو انسان ہوں۔

مسلم شریف کی اس روایت سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ آقاء دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دو باتوں کی مظہر ہے، یعنی ان کے ارشادات و فرمودات ایک بحیثیت وحی الٰہی اور دوسرے بحیثیت انسان کے ہوتے ہیں، بحیثیت انسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بہت سی باتیں اور مشورے دنیاوی امور کے مدنظر ہو سکتے ہیں، جن کا وحی الٰہی سے کوئی تعلق نہیں، ایسے احکام کا ماننا بالکل اسی طرح ضروری نہیں جس طرح کہ وحی الٰہی کو ماننا ازحد لازم وضروری ہے جیسا کہ اسی روایت کے اس ٹکڑے "انمـا أنـا بشر" سے بصراحت واضح ہے، کیونکہ یہ باتیں دنیاوی امور کے مدنظر فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید پر مبنی ہوتی ہیں۔

جہاں تک تعلق بحیثیت وحی الٰہی کا ہے تو بہر صورت اس کی بجا آوری ضروری ہے، اسی وجہ سے وہ مطاع ہیں، واجب الاتباع ہیں، وہ جو کچھ بھی ہیں مگر پہلے بشر، لب لباب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالذات مطاع نہیں بلکہ اللہ کا پیغام رساں ہونے کی وجہ سے ہیں۔

اولی الامر کے مصداق:

ان دونوں کی اطاعت وفرمانبرداری کے بعد از روئے اسلامی نظام ''اولی الامر'' کی اطاعت کی طرف قرآن کا روئے سخن ہے، اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں؟ اس میں مفسرین کا خاصا اختلاف ہے، مختلف النوع اقوال ہیں، اسی وجہ سے افہام وتفہیم اور اس کی وضاحت کیلئے دیگر مفسرین کے اقوال کا تذکرہ ذیل میں مناسب ہے،

تفسیر روح المعانی میں یوں ہے:"امـراء الـمسلمين فی عهد رسو ل الله صلى الله عليه وسلم وبعد و يندرج فيهم الخلفاء و السلا طين وا لقضا ة وغيرهم"

(۱) عہد نبوی اور اس کے بعد کے مسلم امراء مراد ہیں۔

"اهل العلم، وروى ذلك غير واحد عن ابن عبا س و جابر بن عبدالله و مجا هد والحسن وعطا ء و جماعة"۔

(۲) اس سے مراد اربابِ علم ہیں، بشمول امام التفسیر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، مجاہد، حسن، عطاء رحمہم اللہ اور جماعت یہی منقول ہے۔

احکام القران:

"فروى عن جابر بن عبد الله وابن عبا س روايةً والحسن و عـطـاء ومـجاهد أنهم اولو الفقه والعلم وعن عباس روايةً وأبى هـــريـرة أنهم امراء السرايا ، ويجو ز أن يكون جميعاً مرادين بـاالآية لأن الاسـم يتنـاولون جميعاً لأن الامراء يلون امرتد بير الـجيوش والسرايا و قتال العدو، والعلماء، يلون حفظ الشريعة ومـا يـجوز وما لا يجوز، فأمر النا س بطاعتهم والقبول منهم ما عـدل الامـراء الـحـكـام ، وكان العلماء عدولاً مرضين مو ثوقاً

بدينهم و اما نتهم فيما يؤدون"۔

ایک روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ، ابن عباس اور حضرت حسن، مجاہد وغیرہ سے منقول ہے کہ اولی الامر سے مراد ارباب علم اور حل وعقد ہیں، حضرت عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس سے مراد امراء السرایا ہیں، لفظ کی عمومیت کے پیش نظر اس آیت کے تحت ان تمام کو مراد لینا درست ہے، چونکہ امراء دشمنوں سے قتال اور لشکر وسرایا کی تدبیر کے تئیں غور وخوض کرتے ہیں، علماء حفظ شریعت اور جائز و ناجائز کی وضاحت میں سرگرم عمل، لہٰذا لوگوں کو ان کی اطاعت اور ان کے منصفانہ فیصلہ کے قبول کا حکم دیا گیا اور علماء جو کرتے ہیں ان میں وہ ثقہ اور لوگوں کے دین وامانت میں قابل اعتماد ہوتے ہیں۔

کشاف میں یوں مذکور ہے:"امراء الحق... امراء الجور..... الله و رسولهٗ برئيان منهم، فلا يعطونهم على الله و رسوله فی وجوب الطاعة لهم، انما جميع بين الله و رسولهٗ والا مراء الموافقين لهما فی ايثار العدل، واختيار الحق والامر بهما والنهی عن اضدادهما كاالخلفاء الراشدين و من تبعهم باحسان "۔

اس سے مراد امراء الحق ہیں، چونکہ ظالم وجابر امراء کا معاملہ خدا اور اس کے رسول سے صاف ہے، ان کی طرف سے ان پر جو احکام واجب ہیں اس جانب وہ توجہ بھی نہیں کرتے، اللہ اور اس کے رسول کے موافق جو امراء ترجیح عدل، اختیار حق اور ان دونوں کے امر ونہی کے سلسلہ میں معاملہ کرتے ہیں، وہ اللہ اور رسول کے درمیان جمع کئے جائیں گے، جیسا کہ خلفاء راشدین اور ان کے متبعین۔

تفسیر ابن کثیر:

"والظاهر والله اعلم انها عامة فی كل اولی الامر من الامراء والعلماء" ظاہر یہی ہے کہ علماء اور امراء کے ہر صاحب امر اس میں شامل ہیں۔

صفوة التفاسير:

"منكم .... دليل علىٰ أن الحكام الذين تجب طاعتهم، يجب أن يكون مسلمين حساً ومعنىً لحماً ودماً، لا أن يكونوا مسلمين صورةً وشكلاً"۔

دلیل اس بات پر ہے کہ ان حکام کی فرمانبرداری ضروری ہے جو گوشت پوشت، حس وحرکت اور معنوی اعتبار سے مسلمان ہوں نہ کہ صرف صورةً وشکلاً۔

تفسیر قرطبی کے مختلف اقوال میں حضرت عکرمہؒ کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ اس سے مراد شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) ہیں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ائمہ اثنا عشر ہیں۔ (معارف القرآن ادریس کاندھلویؒ ج۲،ص۲۴۰)

تفهيم القرآن:

"تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان اولی الامر کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں، اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں، جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں، خواہ وہ ذہنی وفکری رہنمائی کرنیوالے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنیوالے حکام، یا عدالتی فیصلہ کرنے والے جج، یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں، بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار، غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے، اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں، بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو اور خدا اور رسول کا مطیع ہو، یہ دونوں شرطیں اس اطاعت کیلئے لازمی شرطیں ہیں"۔

فقہائے مفسرین کے اقوال سے یہ واضح ہوگیا کہ "اولی الامر" سے ارباب علم ودانش، حل وعقد اور امراء وحکام مراد ہیں، ان مختلف مفسرین نے اس سے مختلف مفہوم مراد لئے مگر جنہوں نے عمومیت کو مدنظر رکھا انہوں نے کہا کہ اس میں یکساں طور پر سب شامل ہیں، ان مختلف اقوال کے ذکر سے مقصود ومطلوب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ کیا اولی الامر میں ارباب سیاست کو شامل کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ سیاسی امور کے

تفہیم وبصیرت کی بنیاد پر کیا سیاستدانوں کی اس میں گنجائش ہے؟ جن مفسرین نے اس کے دائرہ کو وسیع کر کے تمام کو اولی الامر میں شامل کیا ہے، ان کے اقوال کے مدنظر موجودہ دور کے حکام اور اہل سیاست کو اس میں شامل کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس کے بعد یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ کوئی فرد ایسا کامل نہیں جو شعبہ جات زندگانی کے تمام مسائل کے تئیں مناسب طور سے یکساں طریقہ پر تدبر وتفکر کر سکے، کوئی سماجی، ملی، دینی، اصلاحی اور تبلیغی مسائل حل کرسکتا ہے تو کسی میں سیاسی وملکی عقدہ حل کرنے کی لیاقتیں وصلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں کہ کوئی فرد ایک کام کو بحسن خوبی انجام دے تو دوسرے مختلف کاموں اور امور میں بھی ماہر ہو، اس کے انتظام وانصرام کیلئے موزوں ہو؛ کیونکہ اختلاف طبائع فطرت کا تقاضہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سب کا الگ الگ میدان ہوتا ہے، اور وہ اس میں ماہر بھی ہوتے ہیں، کوئی ملی مسائل میں بہتر ہوتا ہے تو کوئی سیاست وقیادت میں، زندگی کے مختلف شعبے ہیں، مختلف اوقات میں مختلف شعبوں کے متعلق مختلف مؤثر شخصیات کی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے، ان سے الگ الگ طریقوں سے استفادہ کیا جاتا ہے، شعبہ ہائے حیات کا ایک شعبہ سیاست بھی ہے، اہل ایمان کے لئے شعبہ سیاست سے قطع نظر کرنا زیبا نہیں؛ کیونکہ اسلام ترک دنیا یعنی رہبانیت کی تعلیم سے انہیں آراستہ نہیں کرنا چاہتا ہے، چنانچہ سیاست کا اسلام سے تعلق ہے، پس چار ناچار سیاسی میدان کے لئے سیاستدانوں کی ضرورت پیش آئے گی تاکہ ہم حکومتی نظام سے مستفید ہوسکیں؛ کیونکہ فقط عالم دین اور قرآن و احادیث کے ماہرین اس طرح سیاسی عقدہ حل نہیں کرسکیں گے جس طرح سیاستداں، ہمیں عبادت وریاضت اور دیگر اسلامی مسائل کے لئے علماء دین اور شرع متین سے رجوع کرنا پڑے گا اور سیاسی وملکی انتظام میں ارباب سیاست سے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر صاحب امر الگ الگ موقعوں پر قابل التفات بلکہ قابل تقلید ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں بھی اولی الامر میں شامل کرنا چنداں تعجب خیز نہیں، کیونکہ ان سے بھی بہت سے ملکی وسیاسی امور اور امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا اس سلسلہ میں نظریہ بالکل واضح ہے، اس آیت کی ان کی تفسیر انتہائی اعلیٰ ہے؛ کیونکہ انہوں نے اس کو اتنا عام کردیا کہ ہر ایک صاحب امر (جن سے ہمہ دم زندگی میں واسطہ پڑتا ہے) شامل ہوگئے، بات دراصل یہ ہے کہ ان کی بھی اطاعت کی جائے گی، صرف شرط یہ ہے کہ کسی معصیت کے ارتکاب کا حکم نہ دیا جائے "لاطاعة فی معصية الخالق"۔

❀❀❀❀

نعت

میرے آقا کلیم ذات رب خیر الوری تم ہو
قمر کی روشنی ہو جلوۂ شمس الضحیٰ تم ہو
خدا کے بعد ہو سب سے بڑے محسن دو عالم کے
شفیع عاصیاں ہو، نازش روز جزا تم ہو
تمہیں ہو نقطۂ آغاز اس دنیائے فانی کے
تمہارے آستاں پر سرنگوں شاہان دنیا میں
خرد کی حد سے کافی دور عالی مرتبہ تم ہو
سبھی اولاد آدم کے جہاں میں مقتدا تم ہو
جہاں جبریل کے پر جلتے ہیں سوز تجلی سے
میرے آقا! وہاں کے مہمان کبریا تم ہو
شرف معراج جسمانی کا تم کو ہوگیا حاصل
شب اسریٰ کی شرح آیت ثم دنی تم ہو
تمہیں میری نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں بیقراری سے
ولیؔ قاسمی بستوی کا مدعا تم ہو

ولی اللہ قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

نقوشِ اسلام

بیٹیاں اللہ تعالی کی نعمت ہیں

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

عن انس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ”من عال جاریتین حتی تبلغاجاء یوم القیٰمۃ انا وھوھکذا وضم اصابعہ“۔(مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ہوں گے، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا یعنی جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں، اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے“۔

جناب آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ہر مومن خواہشمند اور متمنی ہے، جس بندے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور رفاقت کی سعادت مل گئی وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے، سبحان اللہ اسلام مساوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے اور بچوں پر رحم وشفقت کے سلسلہ میں مرد وعورت میں اسلام نے کوئی تفریق نہیں کی۔

اسلامی معاشرے میں اگر کچھ ایسے ماں باپ نظر آتے ہیں جو بیٹے کی بہ نسبت بیٹی سے امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں تو یہ محض زمانہ جاہلیت کی بری رسموں میں سے ایک رسم ہے، جس کی کڑی دور جاہلیت سے جا ملتی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: ”وَاِذا بُشِّرَ اَحَدَھُم بِالْاُنثٰی ظَلَّ وَجھُہٗ مُسوَداً وَھُوَّ کَظِیْمٌ یَتَوارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ ماَ بُشِّرَ بِہٖ اَیُمسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِیْ التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَایَحکُمُونَ“۔(سورہ نحل پارہ ۱۴/رکوع ۱۳)

اور جب خوشخبری ملے ان میں سے کسی کو بیٹی کی، سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے، چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی، اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں، سنا ہے برا فیصلہ کرتے ہیں۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت وغم سے تیور چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی، رسمی ننگ وعار کے تصور سے لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا، لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا، ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے، رات دن اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار کر ہلاک کر ڈالے۔

زمانہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے، یا زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے، اللہ تعالی نے فرمایا ”وَاِذا الموؤدۃ سُئِلت بِاَیِّ ذَنّبِ قُتِلَتُ“۔(سورہ تکویر پارہ ۳۰/رکوع ٦)

اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی گئی کو پوچھیں کہ کس گناہ پر ماری گئی ۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

قرآن کریم نے آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ کس گناہ پر ان کو قتل کیا تھا، یہ مت سمجھنا کہ ہماری اولاد ہے اس پر ہم جو چاہیں تصرف کریں، بلکہ اولاد ہونے کی وجہ سے جرم اور سنگین ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، جس کو جو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے، بیٹے بھی نعمت خداوندی ہے اور بیٹی بھی نعمت خداوندی، اللہ تعالی اپنے علم وحکمت اور مصلحت کے مطابق فیصلے فرماتا ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشادفرمایا "لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَايَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ"۔ (سورہ شوری پارہ ۲۵ رکوع ۶)

اللہ کا راج ہے آسمانوں اور زمین میں، پیدا کرتا ہے جو چاہے، بخشتا ہے جس کو چاہئے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے، یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے بانجھ، وہ سب کچھ جانتا کرسکتا ہے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی سختی ہو یا نرمی سب احوال خدا کے بھیجے ہوئے ہیں، آسمانوں اور زمین میں سب جگہ اسی کی سلطنت ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے، جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جس کو چاہے دے، جس کو چاہے نہ دے، دنیا کے رنگا رنگ حالات کو دیکھ لو کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی، کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں، کسی کو صرف بیٹے، کسی کو دونوں بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اس میں کسی کا کچھ چارہ نہیں، وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے اور وہ ہی اپنے علم وحکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادے کو روک دے، یا اس کی تخلیق پر حرف گیری کر سکے، عقلمند کا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے نرم گرم حالات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ اپنی ناچیز حقیقت کو پیش نظر رکھ کر تکبر اور کفران نعمت سے باز رہے، اور تقدیر خداوندی پر صابر وشاکر رہے، بیٹی کی پیدائش پر خوشی کے اظہار نہ کرنے کا اصل سبب ایمان کی کمزوری اور یقین کا عدم استحکام ہے، اس لیے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے اس فیصلہ سے خوش نہیں، جو اللہ تعالی نے اسے لڑکی دے کر کیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور نفوس اور ضعیف ایمان والوں سے زمانہ جاہلیت کی ان رسوم کی جڑیں اکھاڑنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کے لیے لڑکیوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے اور والدین اور تربیت کرنیوالوں کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، ان کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کے خیال رکھنے کا نہایت اہتمام سے حکم دیا ہے تاکہ اللہ تعالی کی رضامندی اور جنت کے داخلہ کے مستحق بن جائیں اور ساتھ ہی بچیوں کی صحیح تربیت بھی ہو اور وہ ایسی لڑکیاں بن جائیں جیسی اللہ تعالی چاہتا ہے۔

بیٹی کی کفالت کرنیوالا جنتی ہے:

"عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من ولدت له ابنةٌ فلم يوذها ولم يهنها ولم يوثرولده عليها يعنى الذكور ادخله اللّٰه بها الجنة"۔ (معارف الحدیث)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی، پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا پہنچائے اور نہ توہین اور ناقدری کرے اور نہ محبت اور برتاؤ میں بیٹے کو اس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے) تو اللہ تعالی بیٹی کے ساتھ حسن سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

بیٹیوں سے حسن سلوک جہنم سے بچائے گا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت دو بیٹیوں کو لے کر آئی اور کچھ مانگا، حضرت عائشہؓ کے پاس صرف ایک کھجور تھی وہی دیدی، عورت نے اس کے دو حصہ کر کے دونوں بیٹیوں کو دیدی، خود نہیں کھائی، پھر وہ اٹھ کر چلی گئی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے پوری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی بنا پر پوری امت کی بیٹیوں کا مقام اونچا کر دیا، فرمایا "من ابتلى من هذه البنات بشئى فاحسن اليهن كن له سترامن النار"۔ (بخاری شریف)

جس شخص پر اللہ تعالی کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا (یعنی ذمہ داری کو بخوبی انجام

دیا) تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی، مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کا مستحق ہوگا تو بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی اور جہنم سے بچادیا جائے گا۔

بچیوں کی بہترین تربیت پر جنت کا فیصلہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے تین بیٹیاں ہوں اور وہ انکی مشقتوں، ان کی طرف سے تکلیفوں اور ان کے لیے سہولتوں کی فراہمی سب باتوں پر صبر اور برداشت سے کام لے، ان کے ساتھ رحمت اور شفقت کی وجہ سے اللہ تعالی اس کو جنت عطا فرمائے گا، ایک شخص نے عرض کیا، اگر صرف دولڑکیاں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو بھی اللہ تعالی جنت عطا فرمائے گا، ایک آدمی نے عرض کیا کہ اگر صرف ایک لڑکی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو بھی جنت نصیب ہوگی۔ (الترغیب)

"عن ابی سعید قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم من عال ثلث بنات او ثلث اخوات او اختین او بنتین فادبهن واحسن الیهن و زوجهن فله الجنة"۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کی اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہے۔

اس حدیث میں بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کا بھی ذکر ہے اور تربیت وکفالت کے ساتھ ساتھ نکاح کا بھی ذکر ہے، پرورش تربیت کفالت کے بعد والدین نے اگر بیٹی اور بھائی نے بہنوں کا نکاح اور شادی بھی اسی انداز سے کی اور ان ہی بنیادوں پر ان کی ازدواجی زندگی کے لیے کوشش کی جس طرح بیٹے کے لیے کی جاتی ہے، تو والدین اور بھائی کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز اور شرف ہوگا جو انہوں نے اللہ کے حضور اپنی ذمہ داری ادا کر کے پورا کیا۔

بیٹی اور بهن کا میراث میں حصه:

قرآن وحدیث میں ترکہ کی تقسیم کو پوری پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، بہت سے مسلمان اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ بیٹی یا بہن کی شادی کے موقع پر جہیز کے نام سے یا بعد میں بھات کے نام سے جو کچھ دیتے ہیں وہ میراث کا عوض اور بدل ہے، لہذا باپ کے مرنے کے بعد باپ کی میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا جو کچھ دینا تھا، شادی کے وقت میں دیا جاچکا ہے۔

بھات کی شریعت اسلامیہ میں کوئی اصل نہیں ہے، ہمارے ملک میں چونکہ مسلم وغیر مسلم ملے جلے رہتے ہیں، اس لیے غیر مسلموں کی بہت سی رسومات مسلمانوں کے معاشرہ میں داخل ہوگئی ہیں، ان میں سے ایک رسم بھات کا دینا بھی ہے۔

غیر مسلموں کی رسومات بد سے ایک رسم تلک کی ہے "تلک" اس مال کو کہتے ہیں جس کو لڑکے والے لڑکی والوں سے نقد موٹر سائیکل یا کار وغیرہ کی شکل میں مانگتے ہیں، اور ان فرمائشوں کی تکمیل پر ہی رشتہ موقوف رہتا ہے۔

اس بیہودہ رسم نے مسلم معاشرہ کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، بہت سے غریب ونادار ماں باپ ایسے ہیں جن کو نہ رات کو نیند آتی ہے اور نہ دن کو سکون ملتا ہے، ہر وقت اسی فکر میں زندگی کے ایام پورے کرتے ہیں کہ بیٹی کی شادی کے لیے لڑکے والوں کی فرمائشات کہاں سے اور کیسے پوری کریں۔

لڑکا اور لڑکے والے انتہائی ڈھٹائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کی دھجیاں ادھیڑ رہے ہیں، نہ انہیں خوف خدا ہے، نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات ورہنمائی کا پاس ولحاظ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے مال ودولت کی بنا پر نکاح کرتا ہے اس کو فقر اور

محتاجی کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا، اللہ تعالی معاشرہ کو برباد کرنے والی اس رسم بد سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

جھیز:

لڑکی والے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت ضروریات زندگی کا جو سامان دیتے ہیں اس کو جہیز کہتے ہیں، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادیوں کی شادی کے موقع پر رخصتی کے وقت مختصر سا سامان دیا ہے، صحابہ کرام میں بھی لڑکیوں کو کچھ سامان دینا صحیح حدیث سے ثابت ہے؛ لیکن اپنی حیثیت سے بڑھ کر، قرض لے کر، شان وشوکت کا اظہار ونمائش کر کے دینا شریعت کے خلاف ہے، جہیز کی کثرت نمائش اور دکھاوا، وبا کی طرح ہمارے معاشرہ میں پھیل رہا ہے۔

کتنی ہی بچیاں جہیز کے سامان کا انتظام نہ ہونے سے اپنے گھروں میں بیٹھ کر عمر کی قیمتی منزلیں گنوارہی ہیں، نادان ماں باپ نام آوری اور مصنوعی وجاہت حاصل کرنے کے لیے جائیداد دین تباہ کررہے ہیں، سودی قرض میں دبے جارہے ہیں، بتلایئے ایسے حالات میں خوشحالی کی زندگی کیسے میسر آئے گی، خدارا سنبھلئے اور ہوش میں آیئے، ان رسومات بد کی بھول بھلیوں میں پھنس کر کب تک اسلامی زندگی سے کھلواڑ کرتے رہوگے۔

بہترین جہیز تو یہ ہے کہ لڑکی کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ اپنے نئے گھر میں ماحول کو کیسے خوشگوار اور خوشبودار بنائے، اس کے لیے بہشتی زیور اور تحفہ دلہن جیسی کتابیں جہیز میں ضرور دی جائیں۔

معلوم ہوا کہ ماں باپ بھائی کی طرف سے جہیز تحفہ ہے، اور تحفہ فرض میراث کا بدل نہیں ہوسکتا، یہ ہماری بدقسمتی اور بدنصیبی ہے کہ ہم اس طرح کے حیلہ بازی سے بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کردیتے ہیں، یاد رکھئے جہیز وغیرہ دینے سے ان کی میراث کا حق کبھی بھی کسی حال میں بھی ختم نہیں ہوگا، ان کا حق بدستور باقی رہے گا، جس کو احکم الحاکمین کی عدالت میں چکانا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے راوی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کا ایک بالشت حق ناحق لے لیتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالی اس کے گلے میں سات زمین کا طوق ڈالے گا۔ (مسلم شریف)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی وارث کو اس کے میراث کے حصہ سے محروم کردیتا ہے اور اس کے حق کو ہڑپ کرلیتا ہے، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کو جنت کے حصہ سے محروم کردے گا، حدیث شریف پڑھئے "عن انس بن مالك قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من فر من ميراث وارثه قطع اللّٰه ميراثه من الجنة يوم القيامة"۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وارث کی میراث دینے سے راہ فرار اختیار کرتا ہے، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کو جنت کی میراث سے محروم کردے گا۔

قارئین کرام!:

ارشادات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین گلدستہ آپ نے پڑھ لیا ہے، ان پر عمل کر کے اپنے آپ کو اور معاشرہ کو خوشبوؤں سے مہکایئے اور بیٹوں وبیٹیوں کے درمیان عدل ومساوات کا برتاؤ کیجئے، تاکہ اس جنت کے مستحق بن جائیں جو آسمان وزمین سے بہت بڑی ہے اور اللہ رب العزت کی رضا وخوشنودی حاصل ہوجائے جو سب سے بڑی دولت ہے۔ "اللّٰهم انى اسئلك رضاك والجنة واعوذبك من سخطك والنار"

not found.

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: ماہنامہ پیغام سعادت (فقہ اسلامی نمبر)

مدیر اعلیٰ: محمد طاہر بمبوی

زیر سرپرستی: حضرت مولانا مفتی عبداللہ مظاہری

صفحات: ۱۵۲/

ناشر: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ (گجرات)

یہ کتاب ''فقہ اسلامی نمبر'' دراصل جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں منعقد انیسویں فقہی سیمینار کی مناسبت سے جامعہ کے طلبہ عزیز نے اپنے جداری ترجمان ''پیغام سعادت'' کے خصوصی شمارہ کے طور پر شائع کی ہے، ماشاء اللہ طلبہ نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے فقہ اسلامی کے موضوع پر اچھا علمی مواد جمع کر دیا ہے، کتاب کے مندرجہ ذیل عنوانات ہیں۔

پیغام، اداریہ، فقہ اسلامی کی جامعیت، قانون اسلامی کا تفوق، تدوین فقہ عہد بہ عہد، فقیہ اور اس کی ذمہ داریاں، فقہائے سبعہ، اختلاف فقہاء کی وجوہات، اختلاف کے باوجود رواداری، جب کوفہ بنا علم وفقہ کا مرکز ثقل، امام اعظم ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت الکوفی)، اہل علم وفضل کا امام صاحب کو خراج عقیدت، امام ابوحنیفہ کی مجلس علمی کے چند درخشندہ ستارے، فقہ حنفی کی اصل اور اس کا شیوع، فقہ حنفی ایک تعارف، فقہ حنفی کی امتیازی خصوصیات، فقہ حنفی کی چند بنیادی اور معتبر کتابیں، فقہ حنفی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا (فتاوی عالمگیری) طبقات فقہاء، امام دار الہجرۃ مالک بن انس رضی اللہ عنہ، امام المسلمین محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، جدید فقہی مسائل کے حل میں اجتماعی غور وخوض کی ضرورت واہمیت، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا تعارف، موسوعہ فقہیہ کا تعارف، ام المدارس دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم وندوۃ العلماء کی فقہی خدمات، علماء گجرات کی فقہی خدمات، ماضی قریب کے چند مایہ ناز فقہاء ہند، آیات احکام، فقہی پہیلیاں، فقہی لطیفے، جامعہ کے شب وروز، القواعد الفقهية اهميتها وفوائدها، المرحلة الزمنية لتدوين الفقه الإسلامى، القانون الإسلامي يفوق قوانين العالم كلها، الإمام أبو حنيفه وثناء العلماء عليه، التعريف الوجيز للفقه الحنفى، موسوعة الفقه الحنفى (الفتاوى الهندية) المقرر الدراسى الفقهى فى مدارس الهند۔

نام کتاب: غایۃ الوصول الی علم الاصول

اصول فقہ کے مبادیات اور فنی مباحث کا مجموعہ

افادات: حضرت مولانا مفتی عبداللہ مظاہری

ترتیب وتقدیم: مولانا محمد اشرف عباس سعادتی، قاسمی

صفحات: ۲۱۹/

ناشر: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ (گجرات)

پیش نظر کتاب اصول فقہ اور مبادیات واساسیات، اصول فقہ سے متعلق حضرت مولانا عبداللہ مظاہری کے درسی ذوق وکاوش کا اعلی نمونہ ہے، جس سے مولانا کے علمی مزاج وتبحر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مولانا کی ابتدائی تدریس کے دوران جب نور الانوار کی تدریس آپ کو تفویض کی گئی تو مولانا نے اپنے ذوق علمی اور تدریس میں خاص انداز کے پیش نظر اسے صرف کتاب تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کے ذریعہ آپ نے فن پڑھانے اور پوری بصیرت کے ساتھ کتاب کی تدریس کے باب میں ایک انقلابی اقدام کرتے ہوئے فن کی امہات الکتب کا مطالعہ کر ڈالا، اس طرح یہ درس محض حل کتاب تک منحصر نہیں رہا، بلکہ اس کے ذریعہ مکمل فن سے مناسبت کی ایک طرح ڈالی گئی۔

مفتی صاحب کے ان دروس کو آپ کے بعض عزیز اور علم وتحقیق سے رشتہ رکھنے والے شاگردوں نے قلمبند کر لیا تھا، اور فروری ۲۰۱۰ء میں جامعہ میں ہونے والے انیسویں فقہی سیمینار کے موقع پر مفتی صاحب کے ان افادات کو کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا، اس طرح یہ ایک اچھا علمی کام ہوگیا، اور اصول فقہ سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کے لیے اچھا خاصا علمی مواد جمع ہوگیا، کتاب پر مفتی احمد صاحب خان پوری اور مولانا عبیداللہ صاحب اسعدی کی تقریظ بھی کتاب کی قیمت وافادیت کو دوبالا کر رہی ہے۔

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

《 ادارہ 》

مرکز میں ششماہی تعطیل کے بعد تعلیم کا آغاز

مرکز کے تحت چلنے والے دونوں اداروں ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ'' اور ''جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات'' میں تعلیم اپنے پورے شباب پر ہے، واضح رہے کہ گذشتہ مہینہ میں ششماہی امتحان کی وجہ سے مرکز میں ۸/یوم کی تعلیل رہی، پھر ۱۴/مارچ سے باضابطہ تعلیم شروع ہوگئی ہے، اور تمام شعبہ جات اپنی اپنی سرگرمیوں میں منہمک ہوگئے۔

نقوش اسلام کے چیف ایڈیٹر عمرہ کے سفر پر

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے چیف ایڈیٹر اور مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے روح رواں مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب عمرہ کرنے کے لیے ۱۹/مارچ ۲۰۱۱ء بروز سنیچر کو روانہ ہوئے، واضح رہے کہ ان کیساتھ ان کے والد گرامی اور نقوش اسلام کے مدیر انتظامی حافظ عبدالستار عزیزی بھی ہیں، اللہ تعالی دونوں حضرات کے عمرہ کو قبول فرمائے۔ آمین

سعودی عرب کا بلدیاتی انتخابات کرانے کا فیصلہ

ریاض-سعودی عرب اسی ماہ بلدیاتی انتخابات کا عمل شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، قدامت پسند امریکی اتحادی حکومت نے عرب خطہ میں عوامی احتجاج کی لہر سعودی دہلیز تک پہنچنے کے بعد پہلی مرتبہ ایسی کسی سیاسی رعایت سے کام لیا ہے، بلدیاتی امور اور دیہی معاملات کی وزارت کی ویب سائٹ پر اس اعلان میں بہر حال یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ان انتخابات میں عورتیں بھی حصہ لے پائیں گی، اعلان میں کہا گیا ہے کہ پہلے مرحلے کے انتخابات سنیچر کو شروع ہوں گے، سعودی عرب نے اپنی ۴۰/سال سے بھی زیادہ مدت کی تاریخ میں ۲۰۰۵ء میں میونسپل کونسلوں کی نصف سیٹوں کے لیے انتخابات کرائے تھے، لیکن ان انتخابات میں عورتوں کو نہ امیدوار بننے دیا گیا تھا اور نہ ہی انہیں ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا تھا، اس پہلے مرحلہ کے الیکشن کے بعد دوسرے مرحلہ کا الیکشن ۲۰۰۹ء میں کرانا تھا؛ لیکن ۲/سال کی تاخیر کے بعد اس کا اعلان کیا گیا ہے، سعودی حکومت نہیں چاہتی کہ ملک میں بے چینی کی کوئی ایسی لہر چلے جس کے نتیجے میں مصر اور تیونس میں حکمرانوں کے تختے پلٹ گئے، یمن، بحرین اور عمان میں کھلبلی مچی ہوئی ہے، شاہ عبداللہ نے گذشتہ ماہ معاشرتی بہبود کے لیے ۹۳/ارب ڈالر مہیا کرنے کا اعلان کیا تھا؛ لیکن کسی سیاسی رعایت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، ملک کے مشرقی صوبہ میں شیعہ اقلیت احتجاجی سر اٹھا چکی ہے، سعودی علماء نے سعودی عرب میں ایسے احتجاج کو غیر اسلامی قرار دیا ہے، واضح رہے کہ سعودی عرب میں کوئی منتخب پارلیمنٹ نہیں ہے۔

قذافی کے قتل کا فتوی

دوحہ- علمائے اسلام کے عالمی اتحاد کے سربراہ شیخ یوسف قرضاوی نے اپنے ہی عوام کا قتل کرنے کی بنا پر لیبیا کے صدر کرنل قذافی کا خون جائز قرار دیا ہے، کرنل قذافی نے گذشتہ دنوں طرابلس میں جنگی جہازوں سے فائرنگ اور غیر ملکی کرائے کے قاتلوں کے ذریعہ سینکڑوں ہم وطنوں کو مروا ڈالا ہے، شیخ قرضاوی نے ایک ٹی وی چینل سے گفتگو میں کہا کہ میں قذافی کے قتل کا فتوی دے رہا ہوں کہ کسی بھی فوجی یا پولیس والے کو اگر ایسا کرنے کا موقع ملے تو وہ یہ کر ڈالے، تاکہ لیبیا کے عوام کو اس نیم پاگل سے نجات ملے۔

آصف احمد علی کو پاکستان کا وزیر خارجہ بنائے جانے کا امکان

دوحہ- پاکستان کی وزارت خارجہ میں آئندہ دنوں اہم تبدیلیوں کا امکان ہے، خلیجی اخبار ''گلف ٹائمس'' کے مطابق آصف احمد علی کو وزیر خارجہ بنایا جارہا ہے اور امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسین حقانی کو مئی میں تبدیلی کئے جانے کا امکان ہے، اخبار کا کہنا ہے کہ امریکہ اور پاکستان کے درمیان سی، آئی، اے، کے اہلکار ریمنڈ ڈیوس کے تنازع کے خاتمہ کے بعد مئی میں پاکستانی سفیر کی مدت کے ختم ہونے کے بعد تبدیل کئے جانے کا امکان ہے، ایک اہم پیش رفت یہ بھی ہوئی ہے کہ سینئر پی پی پی رہنما اور سابق وزیر تعلیم آصف احمد علی کو وزیر خارجہ بنایا جارہا ہے، حقانی پر یہ الزام بھی ہے کہ اس نے پاکستانی سیکورٹی ایجنسیوں کی طرف سے درخواستوں کی جانچ کے بغیر اور مروجہ قواعد وضوابط کو پس پشت ڈال کر ریمنڈ ڈیوس جیسے سیکڑوں امریکیوں کو ویزے جاری کئے۔